باب 1

برصغیر میں مسلمانوں کی تعلیم

- ☆ تعارف
- ☆ مکتب و مدارس
- ☆ مسلم مفکرین کی تعلیمی خدمات
- ☆ الغزالیؒ
- ☆ ابن خلدون
- ☆ ابن سینا
- ☆ علامہ زر نوجی
- ☆ مسلمانوں کی آمد کے وقت برصغیر کی تعلیمی حالت
- ☆ برصغیر میں نظام تعلیم کے نمایاں پہلوئوں کا جائزہ
- ☆ مقاصد تعلیم
- ☆ نصاب تعلیم
- ☆ تدریسی طریقے
- ☆ مانیٹوریل سسٹم
- ☆ جائزہ
- ☆ نظم و نسق

www.downloadclassnotes.com

www.downloadclassnotes.com

باب 1

برصغیر میں مسلمانوں کی تعلیم

(Education of the Muslims in the Sub-Continent)

سوال: انسانی تعلیم کے آغاز پر مختصر نوٹ لکھیں۔

جواب:

انسان کی تعلیم کا آغاز نو

(Origin of Human Education)

تعلیم کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے ساتھ ہی ہوا۔ زمین پر بھیجنے سے قبل اللہ کریم نے خود انہیں اشیا کے ناموں اور ان کے استعمال کا سائنسی علم عطا فرمایا۔ حضرت آدم علیہ السلام پہلے انسان تھے اور پہلے نبی بھی۔ اللہ کریم نے انہیں علم ہدایت سے نوازا اور سب سے پہلے وحی کا سلسلہ بھی انہی سے شروع ہوا۔

جوں جوں انسانی آبادی بڑھتی گئی، خاندان اور قبیلے وجود میں آتے گئے۔ تعلیم کے ایک منظم اور باقاعدہ نظام کی ضرورت بھی بڑھتی گئی۔ شروع میں علم اور تہذیبی روایات سینہ بہ سینہ والدین سے اولاد میں منتقل ہوتی رہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ جب بھی تہذیبی اور مذہبی بگاڑ کی کوئی صورت پیدا ہوئی، اللہ کریم نے اپنے انبیاؑ اور رسول بھیج کر اصلاح کا نظام بھی جاری فرما دیا، حتیٰ کہ جب انسانیت اپنی بلوغت کو پہنچ گئی تو اللہ کریم نے اپنے آخری رسول محمد الرسول اللہ ﷺ کے ذریعے آخری کتاب ہدایت قرآن مجید عطا فرما کر یہ سلسلہ ختم کر دیا۔

تمام انبیاء کرام اپنے اپنے زمانے میں معلم بھی تھے۔ وہ انسانوں کے لیے اللہ کے مطلوبہ معیار کے مطابق بہترین نمونہ تھے اور اب حضور نبی کریم ﷺ قیامت تک کے لیے نور ہدایت اور رحمۃ اللعالمین ہیں۔ آپ ﷺ انسانِ کامل اور معلم کتاب و حکمت ہیں۔

سوال: حضور پاک ﷺ کے عہد کی تعلیمی حالت پر مختصر تبصرہ کریں۔

جواب:

عہد نبوی ﷺ میں تعلیم

(Education in the Period of the Holy Prophet (SAW)

حضور نبی کریم ﷺ معلم اعظم ہیں۔ آپ ﷺ پر نازل ہونے والی پہلی وحی کا پہلا لفظ ''اقرا'' ہے جس کے معنی پڑھنے کے ہیں۔ اس سے اسلام میں علم کی اہمیت بھی واضح ہوتی ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کی زندگی کے دو ادوار بڑے اہم ہیں۔ ایک مکی دور اور دوسرا مدنی دور۔ مکی دور مصائب و آلام اور مشکلات کا دور تھا۔ اس دور میں بھی آپ ﷺ تعلیم و تعلم کے فریضے سے غافل نہیں رہے۔ کوہ صفا کی اوٹ میں حضرت ارقمؓ کے گھر کو اسلام کا پہلا مدرسہ بننے کی سعادت حاصل ہوئی۔ جو لوگ اسلام قبول کرتے، وہ چھپ چھپ کر یہاں جمع ہوتے اور حضور نبی کریم ﷺ سے کتاب و حکمت کی تعلیم حاصل کرتے۔ جتنا قرآن نازل ہوتا، صحابہؓ اس کو زبانی یاد کر لیتے اور کتابت جاننے والے صحابیؓ ان قرآنی آیات کو تحریر کر لیتے۔

ہجرت کے بعد مدنی دور شروع ہوا۔ مدینہ طیبہ پہنچتے ہی آپ ﷺ نے مسجد نبوی ﷺ تعمیر کروائی۔ اس کے سامنے ایک چبوترہ بنوایا گیا، جسے عربی میں ''صفہ'' کہتے ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ یہاں صحابہؓ کو قرآن مجید اور دین کی تعلیم دیتے تھے۔ اسلامی تاریخ میں صفہ کو نہایت اہم مقام حاصل ہے۔ مدینہ کے باہر کے لوگ یہاں کچھ دن قیام کرتے، دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے علاقے میں لوٹ جاتے اور وہاں لوگوں کو تعلیم دینا شروع کر دیتے۔ صفہ اسلامی تعلیمی تاریخ کا پہلا اقامتی مدرسہ تھا۔ یہاں طلبہ کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہی۔ ایک وقت میں یہ تعداد ستر تک بھی پہنچ جاتی۔ آپ ﷺ کے علاوہ اکابر صحابہؓ بھی تعلیم و تعلم کا فریضہ انجام دیتے۔ یہاں سے فارغ ہونے والے طلبہ کو قاری کہتے تھے۔ اسلامی معاشرے کے پھیلاؤ کے ساتھ آپ ﷺ نے مختلف علاقوں میں معلمین اور اساتذہ بھیجنے کا سلسلہ بھی شروع کیا۔ آپ ﷺ کے زمانے میں کم و بیش نو مساجد کا ذکر ملتا ہے، جہاں تعلیم دی جاتی تھی۔

آپ ﷺ نے اشاعت تعلیم میں اس قدر دلچسپی لی کہ تیئس (23) سال کی قلیل مدت میں پورے عرب میں تعلیمی انقلاب برپا کر دیا۔ عہد نبوی ﷺ میں صوبائی گورنروں کی ذمہ داریوں میں تعلیم کی ذمہ داری بھی شامل تھی۔ مسلمان جن علاقوں کو فتح کرتے، وہاں مساجد تعمیر کرتے اور وہاں تعلیمی امور کا آغاز کر دیتے۔

سوال: خلفاء اور سلاطین کے ادوار میں تعلیمی سرگرمیوں کا مختصر جائزہ لیں۔

جواب:

خلفا اور سلاطین کی تعلیمی سرگرمیاں

(Educational Activities of Caliphs and Sultans)

حضور نبی کریم ﷺ کے بعد خلفاء راشدین نے تعلیم و تعلم کو خصوصی اہمیت دی۔ اس سلسلے میں حضرت عمر فاروقؓ کو تعلیمی سرگرمیوں میں باقاعدگی پیدا کرنے کا اس قدر خیال تھا کہ اپنے دور میں انہوں نے علماء اور اساتذہ کی تنخواہیں بیت المال سے مقرر

فرمائیں۔ وہ اپنے صوبائی گورنروں اور عاملوں کو عوام کی تعلیم پر خصوصی توجہ دینے کی ہدایات جاری فرماتے رہتے تھے۔

خلفائے راشدینؓ کے بعد خلفائے بنو اُمیہ اور بنو عباس نے بھی اس حوالے سے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ خلیفہ ہارون الرشید نے ہر مسجد میں مدرسہ قائم کرنے کی زبردست مہم چلائی۔ اس کے نتیجے میں اسلامی سلطنت میں تعلیم عام ہوگئی اور آج کی اصطلاح میں شرح خواندگی سو فیصد تک پہنچ گئی۔ ہارون الرشید نے بیت الحکمت قائم کیا جس سے دوسری زبانوں میں لکھی ہوئی کتب کے عربی میں تراجم وسیع پیمانے پر کیے گئے۔ خلفائے بنو امیہ اور بنو عباس کے زمانے میں ہی جدید سائنس کی بنیاد رکھ دی گئی اور آنے والے دورِ عروج میں مسلمان سائنسدانوں اور علماء نے سائنسی اور تکنیکی علوم کو بام کمال تک پہنچا دیا۔ بعد میں اہل مغرب نے انہی سے یہ علم حاصل کیا۔

اسی زمانے میں دمشق، قاہرہ، بغداد میں عظیم الشان درسگاہیں قائم ہوئیں۔ ابتدا میں مکتب اور مدارس کے لیے الگ عمارات کا رواج نہیں تھا، بلکہ مسجد کو ہی مکتب اور مدرسہ کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ اساتذہ اور علماء کے گھر بھی اس مقصد کے لیے استعمال ہوتے تھے۔ سلجوقی سلاطین نے اپنے زمانے میں تعلیمی اداروں کی الگ عمارات کو رواج دیا، تاہم مساجد کی تعلیمی اور مرکزی حیثیت برقرار رہی۔ اسی زمانے میں وزیر اعظم نظام الملک طوسی نے بغداد میں جامعہ نظامیہ کے نام سے ایک بہت بڑا دارالعلوم قائم کیا۔ خراسان، مرو، بصرہ، بلخ اور موصل میں بھی اس نے اسی قسم کے مدارس بنوائے۔ ان مدارس میں مروجہ علوم کے علاوہ عبرانی، لاطینی، فارسی، یونانی اور سنسکرت زبانیں بھی پڑھائی جاتی تھیں۔ عملی سرگرمیوں میں گھڑ سواری، تلوار زنی، تیر اندازی اور دیگر جنگی و حربی مشقیں بھی کروائی جاتی تھیں۔ ان مدارس میں صدر معلم کا تقرر خود خلیفہ کرتا تھا۔ امام غزالیؒ جامعہ نظامیہ کے طالب علم رہے اور پھر اس کے صدر معلم بھی مقرر ہوئے۔ سعدی شیرازیؒ نے بھی اسی ادارے میں تعلیم کی تکمیل کی۔

سوال: مندرجہ ذیل اصطلاحات کا مفہوم واضح کریں:

(i) **حلقہ** (ii) **مکتب** (iii) **مدرسہ** (iv) **جامعات**

جواب: (i) حلقہ جات:

مسلمانوں کے دورِ عروج میں اعلیٰ تعلیم کے حوالے سے عام طور پر لفظ "حلقہ" رائج تھا۔ جب کوئی عالم کسی شہر میں آتا تو لوگ مسجد میں اس کے گرد جمع ہو جاتے۔ استاد مسجد کے کسی ستون یا دیوار کے ساتھ چوکی پر بیٹھ جاتا۔ تمام طالبان علم اس کے گرد حلقے کی شکل میں جمع ہو جاتے۔ استاد کسی فن کے مسائل لیکچر کی صورت میں بیان کرتا۔ شاگرد اہم نکات نوٹ کرتے جاتے۔ سوال و جواب کی عام اجازت ہوتی تھی۔ حصول تعلیم کے لیے عمر کی قید نہیں تھی۔ طالبان علم دور دراز سے سفر کر کے ان حلقہ جات میں تعلیم حاصل کرنے آتے۔

www.downloadclassnotes.com

(ii) مکتب:

مکتب عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لفظی معنی لکھنے کی جگہ یا لکھنے کی میز کے ہیں۔ مکتب کا لفظ عموماً ابتدائی تعلیم کے ایسے مدارس کے لیے استعمال کیا جاتا تھا' جہاں طلبہ کو لکھنے کا فن سکھایا جاتا تھا۔ ایسے مکاتب معلمین کے گھروں اور مساجد میں عام ہوتے تھے۔ مکتب کے استاد کو "معلم" کہا جاتا تھا۔

(iii) مدرسہ:

مدرسہ کی جمع مدارس ہے' جس کے معنی درس کی جگہ کے ہیں اور درس کے معنی سبق کے ہیں۔ مکتب کی تعلیم کے بعد عموماً مدارس کی ضرورت پڑتی تھی اور یہ عموماً مساجد سے الگ قائم ہوتے تھے۔ مدارس کے اساتذہ "مدرس" کہلاتے تھے۔ یہاں سائنس اور فلسفے کے علاوہ مختلف زبانیں بھی سکھائی جاتی تھیں۔ یہاں کے اساتذہ کی باقاعدہ تنخواہیں مقرر تھیں اور طلبہ کو وظائف بھی دیئے جاتے تھے۔

(iv) جامعات:

جامعہ' دارالعلوم اور یونیورسٹی کے الفاظ عموماً اعلیٰ تعلیم کی درسگاہوں کے لیے استعمال ہوتے تھے۔ "جامعہ نظامیہ" بغداد اور مستنصر باللہ کی "جامعہ مستنصریہ" اسی طرح کی اعلیٰ درسگاہیں تھیں۔ جامعہ مستنصریہ میں اس دور کے لحاظ سے تمام جدید علوم کے شعبے موجود تھے۔ طلبہ اور اساتذہ کے لیے ہر ممکن سہولیات مہیا ہوتی تھیں۔ طلبہ کو جامعہ کی طرف سے چٹائیاں' کاغذ' قلم' دوات اور چراغ کے لیے زیتون کا تیل مفت فراہم کیا جاتا تھا۔ مفت رہائش اور خوراک کے علاوہ طلبہ کے لیے وظائف کا نظام بھی موجود تھا۔

اسی طرح جامعہ ازہر مصر کی اسلامی دنیا میں عظمت اور شہرت زمانہ قدیم سے ہے۔ ایشیا اور افریقہ کے ہزاروں طلبہ یہاں تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اندلس میں قرطبہ' غرناطہ' طلیطلہ اور اشبیلیہ کی جامعات بڑی معروف تھیں۔ یورپ میں علمی احیاء کی تحریک انہی جامعات کے زیر اثر شروع ہوئی۔ برصغیر پاک و ہند میں محمد بن قاسمؒ کی آمد کے ساتھ ہی مکاتب' مدارس اور جامعات کے قیام کا سلسلہ شروع ہو گیا اور ہر مسلمان حکمران نے اپنے زمانے میں اس مقصد کے لیے بھرپور کوششیں کیں۔

مسلم مفکرین کی تعلیمی خدمات

(Educational Services of the Muslim Thinkers)

سوال: امام غزالی کی تعلیمی فکر پر روشنی ڈالیے۔

☆ امام غزالیؒ کا مختصر تعارف اور ان کے تعلیمی تصورات بیان کریں۔

☆ امام غزالیؒ کے نزدیک مقاصد تعلیم کون کون سے ہیں؟

☆ امام غزالیؒ کے نصاب تعلیم کے بارے میں تصورات پر تبصرہ کریں۔

☆ امام غزالیؒ نے طریقِ تدریس کے حوالے سے جو ہدایات دی ہیں، ان پر جامع نوٹ لکھیں۔

☆ امام غزالیؒ کے مطابق استاد شاگرد تعلقات کے حوالے سے اساتذہ اور متعلمین کو کن آداب کا خیال رکھنا چاہیے؟

☆ امام غزالیؒ نے طلبہ اور متعلمین کے لیے کن آداب کو لازم قرار دیا ہے؟

جواب:

امام غزالیؒ کا مختصر تعارف

(Brief Introduction to Imam Ghazali)

آپ کا نام محمد الغزالیؒ ہے اور آپ امام غزالیؒ کے نام سے معروف ہیں۔ آپ قرونِ وسطیٰ میں ایک زبردست ماہر تعلیم اور بہترین استاد تھے۔ اہلِ مغرب بھی ان کو جلیل القدر مفکر تعلیم تسلیم کرتے ہیں۔ ''کیمیائے سعادت'' اور ''احیاء العلوم'' آپ کی مشہور کتب ہیں۔ ان کی اکثر کتب کے تراجم یورپی زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ آپ مشہور و معروف مدرسہ نظامیہ کے صدر معلم رہے۔ یہ مدرسہ اس زمانے میں بین الاقوامی شہرت رکھتا تھا۔

امام غزالیؒ کے تعلیمی تصورات (Educational Concepts of Imam Ghazali):

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ حقیقت (اللہ) تک رسائی تعلیم کے بغیر ممکن نہیں۔ حقیقی اور قطعی ذریعہ علم صرف اور صرف وحی ہے۔ عقلِ انسانی بھی علم کا ذریعہ ہے۔ عقل ہی انسان کے اندر غور و فکر کی صلاحیت پروان چڑھاتی ہے۔ اللہ نے انسان کو اشرف المخلوقات یعنی تمام مخلوقات پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ تعلیم کے ذریعے کائنات کی تسخیر اس کے لیے آسان بنا دی ہے۔ انسان کی سب سے بڑی فضیلت علم ہے۔ انسان ازل سے ابد تک اپنے علم کے ذریعے کائنات کے اسرار و رموز تک رسائی حاصل کرنے کے لیے کوشاں ہے۔ ایمان اور علم لازم و ملزوم ہیں۔ انسانوں کے لیے مفید اور ضروری علوم مثلاً قرآن و حدیث، فقہ و تفسیر اور مختلف پیشوں کا علم وغیرہ کو امام غزالیؒ علوم محمود قرار دیتے ہیں اور وہ تمام علوم جن میں انسانیت کے لیے نقصان کا پہلو موجود ہو مثلاً سحر و طلسمات وغیرہ کو آپ علوم مذموم قرار دیتے ہیں۔

امام غزالیؒ اور مقاصدِ تعلیم

(Imam Ghazali and Educational Objectives)

امام غزالیؒ کے تعلیمی تصورات کا بغور جائزہ لینے سے تعلیم کے مندرجہ ذیل مقاصد متعین کیے جا سکتے ہیں:

1- معرفتِ الٰہی کا حصول:

امام غزالیؒ کے نزدیک تعلیم کا اولین مقصد معرفتِ الٰہی یعنی اللہ تعالیٰ کی پہچان ہے۔ آپ کے نزدیک دینی اور دنیاوی تعلیم کے بغیر اللہ کی معرفت حاصل ہونا ممکن نہیں۔ اس کائنات میں ہر طرف اللہ کی نشانیاں بکھری پڑی ہیں۔ ان پر غور و فکر اور تدبر

کرنے سے اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

2-رضائے الٰہی کا حصول:

امام غزالیؒ اللہ کی رضا کے حصول کو تعلیم کا دوسرا بڑا مقصد قرار دیتے ہیں۔ جب انسان اپنے خالق و مالک اور رازق کو پہچان لیتا ہے تو اس پر فرض ہو جاتا ہے کہ اپنی تمام خواہشات کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے احکامات کے تابع کر کے اس کا فرماں بردار بندہ بن جائے۔

3-اخلاقی اقدار کا فروغ:

اعلیٰ اخلاقی اقدار کا فروغ تعلیم کا تیسرا بڑا مقصد ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اسوۂ حسنہ اور اپنی الہامی و اخلاقی تعلیمات کے ذریعے بنیادی اخلاقی اقدار مثلاً سچائی، دیانتداری، بزرگوں کا احترام، چھوٹوں پر شفقت، عدل و انصاف، ایفائے عہد اور مذہبی رواداری وغیرہ پر بہت زور دیا ہے۔ امام غزالیؒ کے نزدیک ان اخلاقی اقدار کا فروغ صرف تعلیم سے ہی ممکن ہے۔

4-اعلیٰ کردار کی تشکیل و تکمیل:

امام غزالیؒ کا کہنا ہے کہ اچھی تعلیم وہی ہے جو انسان کو انسانیت کے اعلیٰ درجے پر فائز کرتی ہے۔ انسان اپنے اچھے کردار اور نیک اعمال سے پہچانا جاتا ہے۔ اس کے اندر نیکی اور بدی کی تمیز پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ تمام اوصاف اعلیٰ انسانی کردار کی تشکیل کرتے ہیں اور تعلیم ہی کے ذریعے ان اوصاف کی تشکیل و تکمیل ممکن ہے۔

5-دنیاوی ضروریات کا خیال:

عام مفکرین کے برعکس امام غزالیؒ عملی زندگی کے تقاضوں اور بنیادی دنیاوی ضروریات کی انسانی زندگی میں اہمیت سے واقف ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ افرادِ معاشرہ کو ایسی تعلیم دی جائے جو ان کو مثالی زندگی گزارنے کے قابل بنا دے اور ان کی تمام دینی اور دنیاوی ضروریات بھی پوری کر سکے۔ اس مقصد کے لیے آپ نے مختلف پیشوں اور عملی علوم و فنون کی تعلیم پر زور دیا ہے۔

6- تسخیر کائنات:

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں کائنات کے اسرار و رموز کو سمجھنا اور انہیں انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے کام میں لانا امام غزالیؒ کے نزدیک تعلیم کا اہم مقصد ہونا چاہیے۔

امام محمد الغزالیؒ اور نصاب تعلیم

(Imam Ghazali and Educational Curriculum)

امام غزالیؒ نے مضامین کی درجہ بندی کر کے ان کو فرضِ عین اور فرض کفایہ دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ یہ وہی تقسیم ہے جسے آج ہم لازمی مضامین اور اختیاری مضامین کہتے ہیں۔ ان کے خیال میں فرض عین یا لازمی مضامین کا حصول ہر مسلمان کے

لیے لازم ہے۔اس میں وہ اسلام کے بنیادی عقائد اور عمر کے تقاضوں کے مطابق قرآن وحدیث کی روشنی میں عبادات ومعاملات کے بارے میں معلومات کو شامل نصاب کرنے پر زور دیتے ہیں۔

اختیاری مضامین کو امام صاحب فرض کفایہ قرار دیتے ہیں۔ ان میں وہ مضامین شامل ہیں جن کے بغیر معاشرے کا کاروبار نہیں چلتا۔ اس میں وہ طب' ریاضی' زراعت' صنعت وحرفت' پارچہ بافی اور سیاسیات وغیرہ کو شامل کرتے ہیں۔ اگر چند افراد ان مضامین کے جاننے والے ہوں تو معاشرتی ضروریات پوری ہو جاتی ہیں' اسی لیے ان کو فرض کفایہ کہتے ہیں۔

امام غزالیؒ اور طریق تدریس
(Imam Ghazali and Methods of Teaching)

دور جدید کے تعلیمی ماہرین تدریسی طریقوں میں بچوں کی نفسیات اور ان کی عمر کے تقاضوں کو خاص اہمیت دیتے ہیں۔ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ تدریسی طریقے انہی کی اختراع ہیں۔ مگر امام غزالیؒ کی تدریسی ہدایات کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انہوں نے بہت پہلے بڑی تفصیل سے یہ سب باتیں کر دی ہیں:

ذیل میں ان کی تدریسی ہدایات کا مختصر تذکرہ کیا جا رہا ہے:

1- بچوں کے رجحانات کے مطابق انہیں تعلیم دینا:

امام غزالیؒ تعلیم میں بچوں کے طبعی رجحان اور نفسیاتی تقاضوں کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ ایک اچھا استاد دوران تدریس نفسیاتی اصولوں کو پیش نظر رکھ کر تعلیم دیتا ہے۔

2- تدریس میں تدریج:

امام غزالیؒ تدریس میں تدریج کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک تدریج سے مراد علم کو درجہ بدرجہ اور مرحلہ وار پیش کرنا ہے۔ انہوں نے مغربی مفکرین سے بہت پہلے نفسیاتی طریقہ تعلیم کی تفصیلات اپنی کتاب احیاء العلوم میں بیان کی ہیں۔

3- ذہنی استعداد کے مطابق تعلیم دینا:

امام غزالیؒ نے طلبہ کی ذہنی استعداد کے مطابق تدریس پر زور دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ تعلیمی مقاصد کی تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ تعلیم وتدریس میں اساتذہ بچوں کی ذہنی سطح کا خصوصی خیال رکھیں۔

4- سابقہ معلومات کی مدد سے تعلیم دینا:

امام غزالیؒ تدریس کو بچوں کی سابقہ معلومات کے ساتھ مربوط کرنے پر زور دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ پہلے سے حاصل شدہ تعلیمی تجربات کی روشنی میں بچوں کو نئی معلومات فراہم کی جائیں۔

- عمل کو اہم مشروط کر کے تعلیم دینا:

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ تعلیمی مقاصد اس وقت تک پورے نہیں ہو سکتے جب تک حاصل کردہ معلومات کو عمل سے مشروط نہ کیا جائے یعنی جو پڑھا جائے اس پر عمل بھی کیا جائے۔

6- بچوں کے لیے اسباق آسان بنائے جائیں:

امام غزالیؒ کے پیش کردہ تدریسی طریقوں میں اس بات پر بہت زور دیا گیا ہے کہ سبق بچوں کی ذہنی سطح اور عمر کے تقاضوں کے مطابق آسان اور دلچسپ ہونا چاہئے۔ سبق کو قصے کہانیوں اور حکایات سے دلچسپ بنایا جاسکتا ہے۔

7- اسباق کی تیاری:

سبق کی تیاری کے بغیر معلم اپنے پیشے سے انصاف نہیں کر سکتا۔ امام غزالیؒ اساتذہ کو سبق سے پہلے اس کی تیاری کی ہدایت کرتے ہیں۔

آداب معلمین (Teachers Ethics):

امام غزالیؒ اساتذہ یا معلمین کے لیے مندرجہ ذیل آداب کا خیال رکھنا ضروری قرار دیتے ہیں:

1- معلم شاگردوں کے ساتھ نہایت شفقت اور محبت سے پیش آئے۔ انہیں اپنی اولاد کی طرح سمجھے۔
2- استاد کے قول و فعل میں مطابقت ہو۔ کسی بھی قسم کا تضاد اسے شاگردوں کی نظر سے گرا دیتا ہے۔
3- اپنے شاگردوں سے ان کے معیار اور ذہنی سطح کے مطابق بات چیت کرے۔
4- تعلیم کا صلہ طلب نہ کرے نہ ہی خوشامد اور تعریف کی خواہش کرے۔
5- جہاں تک ممکن ہو طلبہ کو نصیحت کرتا رہے۔
6- شاگردوں کو نہایت حکیمانہ انداز سے نصیحت کرے۔ بری باتوں سے روکے۔ سختی سے طلبہ کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے اور معلم کا وقار باقی نہیں رہتا۔
7- انتہائی اشد ضرورت کے وقت بدنی سزا بھی دی جاسکتی ہے مگر یہ تین چھڑیوں سے زیادہ نہ ہو۔

متعلم کے آداب (Student's Code of Ethics):

امام غزالیؒ نے متعلمین یا طلبہ کو جو ہدایات دی ہیں وہ آج کے طلبہ و طالبات کے لیے بھی نشان راہ ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ طالب علم:

1- اپنے علم پر تکبر نہ کرے۔
2- ہر حال میں استاد کی فرمانبرداری کرے۔
3- اپنے نفس کو بری عادات سے بچائے۔

-4 تمام علوم وفنون کے بارے میں بنیادی معلومات ضرور حاصل کرے مگر مہارت کسی ایک میں حاصل کرے۔
-5 کسی ایک فن میں بھی تدریجاً علم حاصل کرے۔
-6 کسی ایک فن میں مہارت حاصل کیے بغیر کسی دوسرے فن کو نہ سیکھے۔

سوال: ابن خلدونؒ پر مختصر اور جامع تعارفی نوٹ لکھئے۔

☆ ابن خلدون کی تعلیمی فکر کیا تھی؟ آج اس سے کیا فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے؟
☆ ابن خلدونؒ کے تعلیمی تصورات پر مختصر نوٹ لکھئے۔
☆ ابن خلدونؒ نے تعلیم کے کون کون سے مقاصد متعین کیے ہیں؟
☆ نصاب تعلیم کے حوالے سے ابن خلدونؒ کے تصورات پر تبصرہ کریں۔
☆ طریق تدریس کے بارے میں ابن خلدونؒ کے تصورات بیان کریں۔
☆ استاد شاگرد تعلقات کے حوالے سے ابن خلدونؒ کے خیالات پر نوٹ لکھئے۔

جواب:

ابن خلدونؒ کا مختصر تعارف

(A Brief Introduction to Ibn-e-Khaldun)

ابن خلدونؒ کا اصل نام ولی الدین عبدالرحمٰن تھا۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی' پھر تیونس کے جید اساتذہ سے تعلیم حاصل کی اور علم وادب میں اعلیٰ مقام حاصل کیا۔ لغت' شعر وشاعری اور فقہ وحدیث میں خصوصی دلچسپی رکھتے تھے۔ امیر تیونس کے دربار میں بحیثیت کاتب عملی زندگی کا آغاز کیا اور ترقی کرتے کرتے وزارتی عہدوں پر بھی فائز رہے۔ مصر کی مشہور زمانہ جامعہ از ہر میں فقہ پڑھاتے رہے۔ ان کی اصل وجہ شہرت اُن کی تصنیف ''مقدمہ ابن خلدون'' ہے۔

ابن خلدون کے تعلیمی تصورات

(Educational Concepts of Ibn-e-Khaldun)

ابن خلدونؒ کی مشہور کتاب تاریخ ابن خلدون ہے خصوصاً اس کتاب کا ''مقدمہ'' آپ کی فضیلت وشہرت کا باعث ہے۔ ابتدا میں یہ تاریخ کے ساتھ ہی شامل تھا مگر اب الگ تصنیف ہے۔ اس میں تاریخ' فلسفہ' سیاسیات' معاشیات' عمرانیات اور عربی علم وتہذیب پر گراں قدر بحث شامل ہے۔ تعلیم وتعلم بھی اس مقدمے کا ایک موضوع ہے۔ اس کا مطالعہ کرنے سے ابن خلدونؒ کے تعلیمی تصورات واضح ہوتے ہیں۔ ان کے تعلیمی تصورات کے حوالے سے چند اہم نکات یہ ہیں:

☆ ابن خلدونؒ نے مسلم مفکرین کے تعلیمی نظریات میں' جس خاص اور خوبصورت بات کا اضافہ کیا ہے' وہ انسان کا فطری طور پر ''سیکھنے کا تقاضا'' ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ انسان سیکھنے پر مجبور ہے۔ سیکھنا اس کا فطری اور جبلی تقاضا ہے۔ اس کو ان

www.downloadclassnotes.com

کا فطری نظریہ تعلیم کہا جاسکتا ہے۔ مغربی مفکرین نے بعد میں جتنے بھی نظریات پیش کیے، سب ابن خلدونؒ کے اس نظریے سے سامنے آئے ہیں۔ اس سے اس نظریے کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔

☆ ابن خلدونؒ کہتے ہیں کہ جس طرح خوراک، لباس، رہائش وغیرہ کا حصول انسانی بنیادی ضروریات میں شامل ہے، اسی طرح حصولِ تعلیم بھی انسان کی فطری اور بنیادی ضرورت ہے۔

☆ حصولِ تعلیم کے لیے ابن خلدونؒ غور و فکر کو بہت اہمیت دیتے ہیں لیکن آپ کے خیال میں حقیقت کا علم حاصل کرنے کے لیے الہامی تعلیمات پر ایمان لانا ضروری ہے۔

ابن خلدونؒ کے مقاصد تعلیم

(Educational Objectives by Ibn-e-Khaldun)

علامہ ابن خلدونؒ کے نزدیک مقاصد تعلیم مندرجہ ذیل ہیں:

1- تعلیم .... انسان کی طبعی ضرورت:

یہ ابن خلدونؒ کا بڑا نادر اور جدید تصور ہے۔ وہ خوراک، لباس، رہائش وغیرہ کی طرح تعلیم کو بھی انسان کی طبعی اور فطری ضرورت قرار دیتے ہیں۔

2- اللہ تعالیٰ کی معرفت کا حصول:

امام غزالیؒ کی طرح ابن خلدونؒ بھی معرفت الٰہی کے حصول کو بنیادی مقصد تعلیم قرار دیتے ہیں۔ وہ حواس خمسہ سے حاصل کردہ علم کی افادیت کو تسلیم کرتے ہیں مگر معرفت الٰہی کے لیے اسے ناکافی اور سطحی سمجھتے ہیں۔ معرفتِ الٰہی کے حصول کے لیے وہ عقیدے اور ایمان کی پختگی کو لازمی قرار دیتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے وہ پیغمبروں کی الہامی تعلیمات پر ایمان لانا ضروری سمجھتے ہیں۔

3- تخلیق و اجتہاد کی صلاحیتوں کی نشوونما:

علامہ ابن خلدونؒ کے زمانے میں علوم کی رٹائی پر زور تھا اور اسی کو علمی کمال سمجھا جاتا تھا۔ انہوں نے اس کی سخت مخالفت کی اور غور و فکر اور تدبر پر زور دیا۔ آپ نے تدریس کے لیے بحث و مناظرہ کی حوصلہ افزائی فرمائی کیونکہ اس سے غور و فکر کی عادت پیدا ہوتی اور سوچ کی نئی نئی راہیں کھلتی ہیں۔ وہ تقلید اور جمود کے مخالف تھے اور تخلیق و اجتہاد کی صلاحیت کو پروان چڑھانا تعلیم کا مقصد قرار دیتے ہیں۔

4- اعلیٰ انسانی اقدار کی نشوونما:

ابن خلدونؒ انسانی شرف و فضیلت کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ اخلاق رذیلہ سے انسان شرف انسانی سے گر جاتا ہے۔ وہ سزا کے بھی اسی لیے مخالف ہیں کہ اس کے ڈر سے بچوں میں جھوٹ اور حیلہ سازی جیسے منفی تصورات جنم لیتے ہیں۔ وہ تعلیم کے

ذریعے اعلیٰ اخلاقی اقدار مثلاً غیرت وحمیت' شجاعت' خود اعتمادی' صداقت شعاری وغیرہ کو پروان چڑھانا تعلیم کا مقصد قرار دیتے ہیں۔

5- غوروفکر کی صلاحیت کی نشوونما:

ابن خلدونؒ کے نزدیک علم کی نشوونما بھی غوروفکر کی نشوونما کے ساتھ مربوط ہے۔ ان کے خیال میں ہر انسان اپنے ارد گرد کے ماحول پر غور کرتا اور اس سے فائدہ اٹھانے کے طریقے سوچتا ہے۔ انسان نے غوروفکر کے ذریعے ہی عمرانی زندگی کا آغاز کیا تھا۔ وہ غوروفکر کی صلاحیت کی نشوونما کو تعلیم کا ایک اہم مقصد قرار دیتے ہیں۔

نصاب تعلیم اور ابن خلدون
(Ibn-e-Khaldun & Educational Curriculum)

ابن خلدونؒ کے نزدیک نصاب تعلیم طالب علم کے رجحان' استعداد اور عمر کے مطابق ہونا چاہیے۔ اس کے ساتھ ساتھ نصاب جامع اور اس میں تدریج کا خیال رکھا گیا ہو۔ وہ ابتدائی تعلیم کے لیے مادری زبان کو ذریعہ تعلیم بنانے پر زور دیتے ہیں۔ ان کے خیال میں اجنبی زبان میں تعلیم نصف تعلیم کے برابر ہوتی ہے۔ وہ ریاضی اور قرآن مجید کی تعلیم ضروری سمجھتے ہیں۔ ان کے خیال میں ابتدائی سطح پر حساب اور مادری زبان میں مہارت بچے کی فہم وفراست میں اضافہ کرتے ہیں جس سے دیگر علوم اور مضامین کو سمجھنے میں بھی مدد ملتی ہے۔

ابن خلدونؒ نے نصابی مضامین کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے:

اوّل عقلی علوم جو انسان اپنی عقل اور مسلسل غوروفکر سے حاصل کرتا ہے۔ ان میں منطق' فلسفہ' ہندسہ' طبعیات' مدنیات اور موسیقی وغیرہ شامل ہیں یا آج کے دور میں طب' انجینئرنگ اور وکالت وغیرہ۔ دوم نقلی علوم جن کا سرچشمہ قرآن وحدیث ہے جو اسلاف سے نقل ہو کر ہم تک پہنچ رہے ہیں۔ ان میں تفسیر' حدیث' فقہ' لغت وغیرہ شامل ہیں۔

طریق تدریس اور علامہ ابن خلدونؒ
(Methods of Teaching and Ibn-e-Khaldun)

طریق تدریس میں ابن خلدونؒ طلبہ کی سہولت کا خیال رکھنے پر بہت زور دیتے ہیں۔ ان کے خیال میں مشکل طریقہ تدریس سے تعلیم کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ وہ طلبہ کے لیے نفسیاتی طریقے اختیار کرتے تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ معلوم سے نامعلوم اور آسان سے مشکل کی طرف بڑھنا چاہیے۔ اس طرح بات اچھی طرح طلبہ کی سمجھ میں آ جاتی ہے۔ تدریسی طریقوں میں بہتری کے لیے ان کی تجاویز آج کے دور میں بھی اپنی افادیت تسلیم کروا چکی ہیں۔ ذیل میں ان کی تجاویز پر مختصراً تبصرہ کیا گیا ہے:

1- تدریج کا اصول:

علامہ ابن خلدونؒ نصاب کی تدریس میں تدریج کے اصول کے قائل ہیں۔ وہ مؤثر تدریس کے لیے نصاب کو تین ادوار

میں تقسیم کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں پہلے دور میں علم رفتہ رفتہ اور تھوڑا تھوڑا ذہن نشین کرایا جائے۔ ہر باب کے صرف بنیادی اصول طلبہ کو بتائے جائیں۔ دوسرے دور میں کچھ اونچی سطح کے مسائل زیر بحث لائے جائیں۔ تیسرے دور میں علم اور فن کی تدریس ابتدا سے کی جائے لیکن کسی مسئلے کو بغیر ممکن تشریح کے نہ چھوڑا جائے۔ اس دور میں طلبہ کو فن کی باریکیاں مکمل طور پر ذہن نشین کرا دینی چاہئے کیونکہ تیسرے دور میں فن کو سمجھنے کی خاصی صلاحیت پیدا ہو چکی ہوتی ہے۔

2۔ بحث ومناظرہ کا طریقہ:

علامہ رٹا بازی کے سخت خلاف تھے۔ وہ طلبہ میں سوجھ بوجھ اور غور وفکر کی صلاحیت پیدا کرنا چاہتے تھے۔ اس مقصد کے لیے وہ کلاس میں بحث ومناظرہ کا طریقہ اختیار کرنے پر زور دیتے ہیں۔ ان کے خیال میں اس سے طلبہ میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے اور وہ عملی زندگی میں اپنے مسائل خود حل کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔

3۔ حصول علم کے لیے سفر کی اہمیت:

ابن خلدونؒ حصول علم کے لیے سفر کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ اس دور میں اعلیٰ تعلیمی ادارے بہت زیادہ فاصلے پر ہوتے تھے اور اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے طلبہ کو دور دراز کے شہروں کا سفر کرنا پڑتا تھا۔ ابن خلدونؒ اس طرح کے سفر کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔

ان کے تصورات کا خلاصہ یہ ہے:

- ☆ ایک وقت میں ایک فن پڑھایا جائے۔ اس میں پختگی کے بعد دوسرا علم یا فن شروع کیا جائے۔
- ☆ طلبہ کے ساتھ نرم رویہ اختیار کیا جائے۔ ان سے شفقت اور ہمدردی کی جائے۔
- ☆ وہ طلبہ کو سزا دینا شرف انسانیت کے منافی قرار دیتے ہیں۔
- ☆ وہ رٹا بازی کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں رٹے بازی سے تخلیقی اور ذہنی صلاحیتیں پروان نہیں چڑھتیں۔

استاد شاگرد تعلقات

(Teacher Pupil Relations)

علامہ ابن خلدونؒ شاگردوں پر سختی کرنے کے سخت مخالف ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ استاد کی سزا سے بچے شرف انسانی سے گر جاتے ہیں۔ وہ جھوٹ بولنا شروع کر دیتے ہیں اور سزا سے بچنے کے لیے چالاکی و عیاری سے کام لیتے ہیں۔

آپ اساتذہ کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ شاگردوں کے ساتھ شفقت اور محبت کا رویہ اپنائیں۔ ان پر سختی نہ کریں۔ افہام و تفہیم کی فضا میں ان کو آزادیٔ اظہار رائے کے مواقع فراہم کریں۔ آپ کے تعلیمی تصورات میں طالب علم کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ تعلیم وتدریس میں وہ نفسیاتی طریقوں پر زور دیتے ہیں۔

☆☆☆☆

www.downloadclassnotes.com

ابن سینا(Ibn-e-Sina)

سوال: ثابت کیجئے کہ ابن سینا ایک مفکر تعلیم تھے۔

☆ ابن سیناؒ کا مختصراً تعارف لکھیں۔

☆ ابن سینا کے تعلیمی تصورات پر مختصر نوٹ لکھئے۔

☆ ابن سینا کے نزدیک تعلیم کے مقاصد کون کون سے ہیں؟

☆ نصاب تعلیم کے حوالے سے ابن سیناؒ کے تصورات مختصراً پیش کیجئے۔

☆ طریق تدریس کے بارے ابن سیناؒ کے خیالات بیان کریں۔

☆ استاد شاگرد تعلقات کے حوالے سے ان کے خیالات خصوصاً ان کی وصیت کی روشنی میں بیان کریں۔

جواب:

ابن سیناؒ کا تعارف

(Introduction to Ibn-e-Sina)

آپ کا اصل نام ابوعلی حسین بن عبداللہ بن حسن بن علی بن سینا ہے۔ اہل یورپ آپ کو ایوی سینا (Avecena) کہتے ہیں۔ آپ چھ سال کی عمر میں اپنے والد محترم کے ساتھ بخارا پہنچے۔ بخارا ان دنوں علوم وفنون کا مرکز تھا۔ یہاں آپ نے دس سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کرلیا۔ اکیس برس کی عمر تک پہنچتے پہنچتے آپ تصوف، طبیعیات، فلکیات، ریاضی، موسیقی اور مابعد الطبیعیات میں کمال حاصل کر چکے تھے۔

آپ نے کم عمری میں ہی تصنیف وتالیف کی طرف توجہ دینا شروع کر دی تھی۔ آپ کی تصانیف کی تعداد سو تک پہنچتی ہے۔ آپ کی کتاب ''الشفا'' اٹھارہ جلدوں پر مشتمل ہے اور اسے جامع العلوم یعنی انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت حاصل ہے۔ آپ کی کتاب ''القانون'' طب کے موضوع پر حرف آخر تصور کی جاتی تھی اور مدت تک یورپ کے میڈیکل کالجوں میں شامل نصاب رہی۔ ان کی اکثر کتب کے یورپی زبانوں میں تراجم چھپ چکے ہیں۔ آپ نے ہمدان میں 1038ء میں وفات پائی۔

ابن سیناؒ کے تعلیمی تصورات

(Educational Concepts of Ibn-e-Sina)

ابن سیناؒ عقل اور منطقی استدلال کو علم کے حصول کا صحیح ترین ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ دراصل ابن سیناؒ ایک عقلیت پسند فلسفی تھے اور ہر چیز کو عقلی پیمانوں پر پرکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ وہ حصول علم کے لیے منطق اور استدلال کو اہم سمجھتے تھے۔ ان کے خیال میں منطقی اور عقلی اصول وقواعد پر پورا اترنے والا علم ہی مستند اور معتبر ہوتا ہے۔ وہ عقل کو سب سے مؤثر ذریعہ علم سمجھتے اور اس

www.downloadclassnotes.com

سے حاصل ہونے والے علم کو غلطی اور خطا سے پاک قرار دیتے ہیں۔

ان کا تصور قدر اللہ کی حاکمیت اور انسان کی عبدیت کے محور کے گرد گھومتا ہے۔ نظام تعلیم میں اسی قدر کو وہ نصب العین (بنیادی مقصد) قرار دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ عبادات اسلامی کی پابندی، فکر و عمل میں خلوص اور رضائے الٰہی کے حصول کو وہ اہم مقاصد تعلیم سمجھتے ہیں۔

ابن سینا اور مقاصد تعلیم

(Educational Objectives and Ibn-e-Sina)

ابن سینا کے بنیادی فلسفیانہ تصورات سے مندرجہ ذیل مقاصد تعلیم اخذ کیے جا سکتے ہیں:

1- رضائے الٰہی کا حصول:

تمام مسلم مفکرین اور ماہرین تعلیم کی طرح رضائے الٰہی کے حصول کو ابن سینا نے بھی بنیادی مقصد تعلیم قرار دیا ہے۔ وہ اول و آخر اللہ کی یاد تازہ رکھنے کی وصیت کرتے ہیں۔

2- ذہنی صلاحیتوں کو پروان چڑھانا:

ان کے نزدیک صرف علم سے ہی انسان کی ذہنی صلاحیتیں پروان چڑھتی ہیں اور وہ اپنی عقل کو صحیح استعمال کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عقلی اور ذہنی ذریعے سے حاصل کردہ علم غلطی سے پاک ہوتا ہے۔

3- علم و عقل میں مطابقت:

ان کے خیال میں علم و عقل میں مطابقت بہت ضروری ہے۔ ان کے نزدیک بہترین عمل وہ ہے جس کی بنیاد خلوص نیت اور علم پر رکھی جائے۔ وہ علم و عمل میں مطابقت کے قائل ہیں۔ ان کی نظر میں علم کے بغیر عمل بیکار ہے۔ علم اور عمل میں مطابقت اور ہم آہنگی بہت ضروری ہے۔

ابن سینا اور نصاب تعلیم

(Ibn-e-Sina and Curriculum)

اگرچہ ابن سینا نے براہ راست نصاب کے بارے میں کچھ نہیں لکھا، تاہم ان کے تعلیمی تصورات سے جو نصابی خاکہ ابھرتا ہے، وہ یہ ہے:

انہوں نے تمام علوم کو تین مدارج میں تقسیم کیا ہے:

1- اعلیٰ علوم (Advanced Sciences):

وہ تمام علوم جو حکمت و دانش پر مبنی ہیں، ابن سینا نے ان کو اعلیٰ علوم قرار دیا ہے۔ ان میں فلسفہ، منطق اور اخلاقیات شامل

www.downloadclassnotes.com

ہیں جن کا مادے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ مذہبی علوم کو اسی فہرست میں شامل کیا جا سکتا ہے۔

2-دنیوی علوم (Worldly Sciences):

وہ علوم جن کا مادے سے تعلق ہے' دنیوی علوم کہلاتے ہیں۔ مثلاً علم کیمیا' علم طبیعات اور علم طب وغیرہ۔

3-وسطی علوم (Intermediate Sciences):

وہ علوم جو مادی اور غیر مادی دونوں پہلو رکھتے ہیں ان کو وسطی علوم کہا گیا ہے۔ مثلاً علم ہندسہ' فلکیات' موسیقی اور حساب وغیرہ۔

طریق تدریس اور ابن سیناؒ
(Methods of Teaching and Ibn-e-Sina)

ابن سیناؒ ایک عملی استاد تھے۔ طب اور فلسفہ کا درس دیتے تھے۔ ان کی طریق تدریس کی کوئی تفصیل دستیاب نہیں ہے' تاہم ان کے فلسفیانہ اور تعلیمی تصورات کو پیش نظر رکھ کر یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ان کی تدریسی حکمت عملی میں عقلیاتی طریق تدریس مثلاً مسئلی طریق' منصوبی طریق' بحثی اور اکتشافی طریق تدریس کو بنیادی حیثیت حاصل ہوگی۔ اس کے ساتھ طلبہ کا تزکیہ نفس بھی وہ ضروری سمجھتے تھے۔

طلبہ کے لیے ابن سیناؒ نے مندرجہ ذیل ہدایات دی ہیں:

1- ریاکاری اور دکھاوے سے بچیں۔ خلوص نیت سے علم حاصل کریں۔
2- اسلامی عبادات خصوصاً نماز' روزہ اور دیگر شعائر کی پابندی کریں۔
3- جسمانی صحت اور تندرستی کے لیے بلاضرورت لذتوں کا استعمال نہ کریں۔
4- عقل اور سعادت کے حصول کے لیے دنیا و مافیہا سے بے نیازی اختیار کریں۔

استاد شاگرد تعلقات
(Teacher Pupil Relations)

انہوں نے ایک وصیت میں شاگردوں کو خصوصی ہدایات سے نوازا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ:

تم کو اوّل و آخر اللہ کا خیال کرنا چاہیے اور اپنی آنکھوں میں اس کے دیدار کا سرمہ لگانا چاہیے۔ اس کے حضور پاؤں جما کر کھڑے ہونا چاہیے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ سب سے بہتر حرکت نماز' سب سے بہتر سکون روزہ' سب سے مفید نیکی صدقہ اور سب سے رائیگاں و بیکار کوشش ریاکاری ہے۔ بحث و مباحثہ سے دل کا زنگ دور نہیں ہوتا۔ بہترین عمل وہ ہے جو خلوص نیت سے کیا جائے اور بہترین نیت وہ ہے جو علم سے پیدا ہو۔ لذتوں کا استعمال صرف طبیعت کی اصلاح کے لیے کرنا چاہیے۔ جسمانی عبادات کا ہمیشہ پابند رہنا چاہیے۔

سوال: علامہ زرنوجیؒ کے بارے میں مختصر تعارفی نوٹ لکھیے۔

جواب: **علامہ زرنوجیؒ (Allama Zarnoogi)**

علامہ زرنوجیؒ عرب کے عظیم فلسفی، دانشور اور ماہر تعلیم تھے۔ آپ 1170ء میں پیدا ہوئے اور کم وبیش پچاسی سال کی عمر پا کر اللہ کو پیارے ہو گئے۔

تعلیم وتربیت کے موضوع پر علامہ زرنوجیؒ کی کتاب ''تعلیم المتعلم طریق التعلم'' مستند ترین تعلیمی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ ماہرین تعلیم نے اس کتاب کو ''ہدایات نامہ متعلم'' کا نام دیا ہے۔ طلبہ سخت محنت کے باوجود مطلوبہ معیار حاصل کرنے میں کیوں ناکام رہتے ہیں، علامہ زرنوجیؒ نے اس کتاب میں ان وجوہات کی نشاندہی کرنے کے ساتھ ساتھ تعلیم کے محرکات اور مختلف تدریسی طریقوں پر بحث کی ہے۔ اس میں تعلیم کی نفسیاتی بنیادوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ان کی یہ کتاب دور جدید کے معلمین اور متعلمین دونوں کے لیے راہنمائی فراہم کرتی ہے اور تعلیم وتعلم کے موضوع پر ایک منفرد تصنیف ہے۔

سوال: علامہ زرنوجیؒ کے تعلیمی تصورات پر مختصر نوٹ لکھیے۔

جواب: **علامہ زرنوجیؒ کے تعلیمی تصورات**

(Educational Concepts of Allama Zarnoogi)

علامہ زرنوجیؒ کے تعلیمی تصورات کی بنیاد دین اسلام پر ہے۔ علم کی اہمیت کے سلسلے میں انہوں نے حدیث رسول ﷺ ''علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے'' کو بنیاد بنایا ہے، تاہم ان کی رائے یہ ہے کہ ایک فرد سارے علوم حاصل نہیں کر سکتا، اس لیے ہر فرد کے لیے تمام علوم کو حاصل کرنا فرض نہیں ہے لیکن جو علم یا فن وہ سیکھے، اس کے تمام اصول وضوابط کا جاننا اور اس میں مہارت حاصل کرنا ضروری ہے۔

فضیلت علم کے حوالے سے وہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا ایک قول نقل فرماتے ہیں:

''استاد کو ہر وقت اپنے علم میں اضافہ کرتے رہنا چاہیے۔ امیر لوگوں کو استاد کے عمامے کی عزت کرنی چاہیے اور اپنی جیبوں میں وسعت پیدا کرنی چاہیے۔''

سوال: علامہ زرنوجیؒ کے نزدیک مقاصد تعلیم کیا ہیں؟ مختصراً بیان کریں۔

جواب: **علامہ زرنوجیؒ اور مقاصد تعلیم**

(Educational Objectives and Allama Zarnoogi)

-1 علامہ زرنوجیؒ رضائے الٰہی کے حصول اور آخرت میں کامیابی کو تعلیم کا سب سے بڑا مقصد قرار دیتے ہیں۔ آپ نے

دنیاوی عزت اور تحفے تحائف کے حصول کے لیے علم حاصل کرنے والے کو بدنصیب قرار دیا ہے۔

2- اشاعت علم اور نیکی کی تبلیغ دوسرا بڑا مقصد ہے۔ اس مقصد کے لیے وہ اہل علم کے لیے ایسے رعب و دبدبہ اور عزت و مرتبہ کو جائز قرار دیتے ہیں جو تعلیم کی اشاعت میں معاون ثابت ہو۔

3- تکبر اور ذلت نفس سے بچاؤ بھی ایک اہم مقصد تعلیم ہے۔ وہ اساتذہ کو ان تمام چیزوں سے احتیاط برتنے کی تلقین کرتے ہیں جن سے علم اور اہل علم کی تحقیر ہوتی ہو۔

سوال: نصاب تعلیم کے حوالے سے علامہ زرنوجیؒ کے خیالات مختصراً بیان کریں۔

جواب:

زرنوجیؒ اور نصاب تعلیم
(Zarnoogi and Curriculum)

علامہ زرنوجیؒ نصاب میں قرآن و حدیث، فقہ و اصول فقہ اور طب جیسے مضامین شامل کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں قرآن و حدیث کی تعلیم سب سے پہلے دی جائے۔ قرآن و حدیث کو وہ لازمی مضامین کی حیثیت دیتے ہیں۔ اس کے بعد ثانوی سطح پر وہ فقہ اور اصول فقہ کی تدریس کی سفارش کرتے ہیں۔ وہ علم فقہ کو خوراک کی طرح انسان کی بنیادی ضرورت قرار دیتے ہیں۔ اعلیٰ سطح پر طب کی تعلیم دی جائے، تاہم وہ کہتے ہیں کہ فقہ اور طب جیسے مضامین اختیار کرنے میں طلبہ کو آزادی دی جائے اور استاد محض راہنمائی کا فریضہ ادا کرے۔

سوال: علامہ زرنوجیؒ نے طلبہ کے لیے جو ہدایات ارشاد فرمائی ہیں، ان پر مختصر نوٹ لکھیے۔

☆ **علامہ زرنوجی نے تعلیم المتعلم میں طلبہ اور اساتذہ کے لیے کیا ہدایات دی ہیں؟**

جواب:

طلبہ کے لیے ہدایات
(Instructions for Pupils)

علامہ زرنوجیؒ نے "تعلیم المتعلم" خصوصی طور پر طلبہ کے لیے لکھی تھی۔ اس میں انہوں نے طلبہ کے لیے تفصیلی ہدایات اور راہنما اصول بیان فرمائے ہیں۔

ذیل میں ان کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے:

1- استاد کا انتخاب:

استاد کے انتخاب کے لیے علامہ زرنوجیؒ طالب علم کو بڑی احتیاط کی تلقین کرتے ہیں۔ والدین، بزرگوں اور دیگر اہل علم

سے مشاورت کے بعد بڑی سنجیدگی سے استاد کا انتخاب کیا جائے۔ جب ایک بار انتخاب کر لے تو مضمون کی تکمیل تک استاد نہ بدلے۔ اس سے طالب علم کا وقت ضائع نہ ہوگا اور استاد کی شہرت بھی برقرار رہے گی۔ ہمیشہ صاحب علم، صاحب کردار اور تجربہ کار استاد کا انتخاب کرنا چاہیے۔

2- حصول تعلیم میں صبر و تحمل کا مظاہرہ کرے:

تعلیم کا سلسلہ آہستہ آہستہ اور صبر و تحمل کے ساتھ جاری رکھا جائے۔ اس کے لیے وہ بڑی عمدہ مثال پیش کرتے ہیں کہ لکڑی کی چھڑی کو صرف ہلکی آنچ پر ہی سیدھا کیا جاسکتا ہے۔ حصول تعلیم میں تعطل اور رکاوٹ نہیں آنے دینی چاہیے' حتیٰ کہ غربت کو بھی رکاوٹ نہ بننے دیا جائے اور محنت مزدوری کر کے تعلیم کا سلسلہ جاری رکھنا چاہیے۔

3- ہم جماعت اور ہم درس ساتھیوں کا انتخاب:

ہم درس ساتھیوں میں محنتی' صالح' پرہیزگار اور سلیم الطبع طلبہ کا انتخاب کیا جائے۔ صرف انہی کو دوست بنایا جائے اور انہی سے محبت رکھی جائے۔ سست' غلط کار' فسادی' فتنہ پرور اور بے ہودہ طلبہ سے کنارہ کشی بہتر ہے۔

4- تعلیم کا موزوں دور:

وہ حدیث کے مطابق ''مہد سے لحد تک علم حاصل کرنے کے قائل ہیں' تاہم تو بلوغت کے دور کو حصول تعلیم کے لیے موزوں ترین دور قرار دیتے ہیں۔''

5- مطالعے کا مناسب وقت:

علامہ زرنوجیؒ نے رات کے اوقات کو مطالعہ کے لیے موزوں قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جس طرح اونٹ رات کو بہتر سفر طے کرتا ہے' اسی طرح انسانی ذہن بھی رات کے اوقات میں بہتر تعلیم حاصل کرتا ہے۔ رات میں مغرب کے بعد اور سحری کا وقت موزوں ترین ہے۔

6- مطالعہ کا طریقہ:

علامہ زرنوجیؒ حفظ کی بجائے فہم پر زور دیتے ہیں۔ ان کے خیال میں سمجھ کر دو حروف سیکھنا دو بڑی کتابوں کے رٹنے سے بہتر ہے' تاہم وہ سوچ سمجھ کر حفظ کی ضرورت سے انکار نہیں کرتے اور اس کے تکرار اور مشق کی اجازت دیتے ہیں۔ ان کے خیال میں طالب علم کل کا سبق پانچ مرتبہ دہرائے۔ اس سے ایک روز قبل کا سبق چار مرتبہ اور اس سے مزید ایک روز والے سبق کو ایک بار دہرائے۔

7- مطالعہ میں اعتدال سے کام لے:

امام زرنوجیؒ طالب علم کے لیے مطالعہ میں اعتدال سے کام لینے کی ہدایت کرتے ہیں' تاکہ وہ کمزور نہ ہو جائے اور قوت

کارکھو نہ بیٹھے۔ اس سلسلے میں حدیث پاک کا حوالہ دیتے ہیں، جس میں کہا گیا ہے کہ "تمہارا ذہن تمہاری سواری کا جانور ہے، اسے اعتدال کے ساتھ استعمال کرو۔

مسلمانوں کی آمد کے وقت برصغیر کی تعلیمی حالت،

(Educational Conditions of the Sub-Continent on the advent of the Muslims)

سوال: مسلمانوں کی برصغیر میں آمد کے وقت برصغیر کی تعلیمی حالت کیسی تھی؟ مسلمان حکمرانوں نے اسے بہتر بنانے میں کیا کردار ادا کیا؟ مختصراً بیان کریں۔

جواب:

مسلمانوں کی آمد کے وقت تعلیمی حالت

(Educational Conditions on the dvent of Muslims)

مسلمانوں کی برصغیر میں باقاعدہ آمد 712ء میں محمد بن قاسم کے لشکر کے حملے سے ہوئی۔ اس وقت یہ خطہ جہالت اور کفر کی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ آریاؤں نے یہاں جو معاشرتی نظام قائم کیا تھا، اس میں کچھ طبقات معزز اور کچھ کو ذلیل قرار دیا جاتا تھا۔ پورا معاشرہ چار بڑی ذاتوں میں تقسیم تھا۔ تعلیم و تعلم پر صرف برہمنوں کی اجارہ داری تھی، حتیٰ کہ کھشتری اور ویش بھی تعلیم و تدریس کے شعبوں میں برہمنوں کے ساتھ شریک نہ تھے۔ شودر پیدائشی طور پر ہی کمتر اور ذلیل سمجھے جاتے تھے۔ ان کا کام دوسرے طبقات کی خدمت کرنا تھا۔ تعلیم کے دروازے ان پر بند تھے۔

مسلم حکمرانوں کا کردار (Role of Muslim Rulers):

اسلامی تعلیمات میں عدل و انصاف اور انسانی مساوات کو بنیادی اہمیت حاصل رہی ہے، اس لیے مسلمان جہاں بھی پہنچے مقامی آبادی کی اکثریت ان کی علم دوستی اور اعلیٰ معاشرتی اقدار کے نتیجے میں برضا و رغبت اسلام قبول کرتی چلی گئی۔ مسلمانوں کی ان اعلیٰ روایات سے ہندو معاشرے کا سنجیدہ اور متین طبقہ بہت متاثر ہوا اور ان میں بھی عمومی تعلیم کا تصور فروغ پا گیا۔

برصغیر کے مسلم حکمران، علماء، امراء اور عوام اسلام کے ہمہ گیر تصور تعلیم سے واقف تھے۔ عموماً مسلم حکمران خود بڑے عالم فاضل ہوتے تھے جو تعلیمی میدان میں انقلابی تبدیلیوں کا باعث بنے۔ علاؤ الدین خلجی اور اکبر جیسے حکمران جو خود تو پڑھے لکھے نہ تھے مگر فروغ تعلیم میں بہت فراخدل تھے۔ انہوں نے تعلیم کی اشاعت کے لیے مساجد اور مدارس قائم کیے۔ اساتذہ اور طلبہ کے لیے وظائف مقرر کیے۔ مدارس اور مکاتب کے لیے وسیع جاگیریں وقف کیں اور ممکن حد تک تعلیمی سہولیات فراہم کرنے کی کوشش کی، جس سے صدیوں سے جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبے ہوئے برصغیر میں ہر طرف علم کا اجالا پھیلتا چلا گیا۔

www.downloadclassnotes.com

برصغیر کے اسلامی نظام تعلیم کے نمایاں پہلو
(Salient Features of the Islamic Educational System in the Sub-Continent)

سوال: برصغیر کے اسلامی نظام تعلیم میں مقاصد تعلیم پر نوٹ لکھئے۔

جواب: **مقاصد تعلیم (Objectives of Education)**

مقاصد تعلیم کسی بھی نظام تعلیم میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ برصغیر میں مسلمانوں نے اپنے دور حکومت میں اشاعت تعلیم کے لیے جو اقدامات کیے ان کے انمٹ نقوش آج بھی یہاں کی سماجی، سیاسی اور معاشرتی زندگی پر ثبت ہیں۔ اسلام کی نظر میں تعلیم و تعلم کا اصل مقصد رضائے الٰہی کا حصول اور اخلاق حسنہ کی تکمیل ہے۔ مسلمانوں کے ہاں جاہل اور ان پڑھ ہونا بہت بری بات تصور کی جاتی رہی ہے، اس لیے ہم حکمرانوں، وزیروں، امیروں، علماء اور عوام سبھی کو کسی نہ کسی انداز میں تعلیم و تعلم سے وابستہ دیکھتے ہیں۔

برصغیر کے اسلامی نظام تعلیم میں مندرجہ ذیل مقاصد تعلیم خصوصی اہمیت رکھتے ہیں:

1- رضائے الٰہی کا حصول (Attainment of God's Will):

رضائے الٰہی کا حصول ہر مسلمان کی زندگی کا مقصود و مطلوب ہے۔ خصوصاً علم کے حوالے سے حدیث پاک ہے کہ "جس نے اللہ کی خوشنودی اور رضا کے علاوہ کسی دنیاوی غرض کے لیے علم حاصل کیا تو وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو بھی نہیں پاسکے گا"

برصغیر پاک و ہند میں اسلامی روایات کے عین مطابق جس کسی نے بھی تعلیم کو بطور پیشہ اختیار کیا، اس کا بنیادی مقصد یہی رضائے الٰہی کا حصول رہا۔ یہی وجہ ہے کہ برصغیر کے طول و عرض میں پھیلے مکاتب و مدارس کے جال میں تعلیم مفت، عام اور آفاقی تھی۔ مسلمانوں کے ہاں تعلیم و تعلم کے معاوضے کا کوئی تصور موجود نہیں تھا۔ عوام الناس سے لے کر حکمرانوں تک سبھی محض رضائے الٰہی کے لیے علم کی اشاعت کرتے تھے۔

2- تعمیر سیرت و کردار (Character Building):

اسلام میں ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کو بھی برابر اہمیت دی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی مقاصد تعلیم میں طلبہ کی سیرت و کردار کی تعمیر کو اہم مقصد تصور کیا جاتا رہا ہے۔ اسلامی تعلیم میں تربیت اخلاق اور تزکیہ نفس تعلیم کا لازمی جزو ہے۔ برصغیر کے مسلمان خود بھی اچھے اخلاق و کردار کا نمونہ تھے۔ ان کے قول و فعل میں مطابقت اور ہم آہنگی نے ان کی شخصیت کو انتہائی پرکشش بنا دیا تھا۔ صالح اور نیک اطوار افراد کی تیاری اسلامی تعلیم کا اہم ترین مقصد رہا ہے۔

3- متوازن نشوونما (Balanced Development):

تعلیم انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کی متوازن نشوونما کا عمل ہے۔ برصغیر کے اسلامی مدارس میں طلبہ کی ہمہ پہلو نشوونما کا بہت خیال رکھا جاتا تھا۔ مسلمانوں کا تصور تعلیم بہت وسیع اور ہمہ گیر تھا۔ اس میں دینی تعلیم کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ تجارت، فنون سپہ گری، فقہ، منطق، کلام، تاریخ، جغرافیہ، طبیعات اور علم ہندسہ کی تعلیم کا بھی انتظام موجود تھا۔ مسلمان طلبہ اپنی پسند اور طبعی رجحانات کے مطابق جس طرح کی تعلیم چاہتے، حاصل کرتے تھے۔

4- معاشی خود کفالت (Economic Support):

اسلامی نظام تعلیم میں عملی زندگی میں روزی کمانے کی اہلیت اور معاشی خود کفالت کو خاص اہمیت حاصل رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برصغیر کے نظام تعلیم میں ایسے فنون شامل تھے جو طلبہ کی معاشی خود کفالت کے ضامن سمجھے جاتے تھے۔ مثلاً خطاطی، کتابت اور جلد سازی وغیرہ۔ اس کے علاوہ فنی تعلیم کے جابجا مراکز اور کاریگروں کی ورکشاپس بھی موجود تھیں۔

5- منصب خلافت (Attainment of Khilafat):

اسلامی تصور کے مطابق انسان زمین پر اللہ کا بندہ اور نائب ہے۔ اس اعتبار سے مسلمان کی زندگی کا مقصد زمین پر اللہ کی حاکمیت اور خلافت کا قیام ہے۔ تعلیم انسان کو اس مقصد کی تکمیل کے لیے تیار کرتی ہے۔

6- تسخیر کائنات (Conquest of Universe):

تعلیم کا ایک مقصد انسان کو اس قابل بنانا ہے کہ وہ فطرت کی قوتوں اور پوشیدہ ذرائع کو اپنی بھلائی کے لیے استعمال کر سکے۔ تمام سائنسی اور طبعی علوم اسی مقصد کی تکمیل کے لیے شامل نصاب کیے جاتے ہیں۔

نصاب تعلیم (Educational Curriculum)

سوال: برصغیر کے اسلامی نظام تعلیم میں نصاب تعلیم پر مختصر نوٹ لکھئے۔

جواب: **برصغیر میں نصاب تعلیم**

اسلامی مکاتب اور مدارس کے نصاب میں قرآن و حدیث کو مرکزی مقام حاصل رہا ہے۔ قرآن و حدیث کے ذیلی علوم تفسیر، فقہ، اصول فقہ، عربی زبان و ادب وغیرہ بھی نصاب میں شامل تھے۔ حساب، طب، نجوم اور زراعت کی تعلیم کی حیثیت اختیاری مضامین کی سی تھی۔ طلبہ کو اپنی دلچسپیوں اور طبعی رجحانات کے مطابق مضامین کے انتخاب کی آزادی تھی۔

قرآن حکیم نے سیروفی الارض اور مشاہدۂ کائنات کی بار بار تاکید کی ہے۔ اس تاکید سے سائنسی علوم کو ترقی ملی اور وہ نصاب کا حصہ بن گئے۔ قرآن پر غیر مسلموں کے اعتراضات کے جوابات دینے کے لیے فلسفیانہ علوم خصوصاً علم کلام وجود میں

آیا۔ اسلام میں معرفت نفس کی تاکید سے علم نفسیات نصاب میں شامل ہوا۔ قرآن و حدیث کے سمجھنے کے لیے عربی زبان و ادب کو ترقی حاصل ہوئی۔ اس کے علاوہ وقت کے تقاضوں اور ضروریات کے مطابق بھی نصاب میں اصلاح و ترمیم کا عمل جاری رہتا تھا۔

سوال: ابتدائی تعلیم کے نصاب پر مختصر نوٹ لکھئے۔

جواب:

ابتدائی تعلیم کا نصاب

(Curriculum for Primary Education)

ابتدائی تعلیم کے نصاب میں معمولی لکھنا پڑھنا اور ابتدائی حساب سکھایا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ اسلام کے بنیادی عقائد اور اصول بھی ذہن نشین کروائے جاتے تھے۔ اس زمانے میں مسلمان عموماً فارسی زبان بولتے تھے اس لیے ذریعہ تعلیم بھی فارسی تھا۔ ابتدائی تعلیم کا لازمی جز قرآن مجید تھا۔ اخلاقیات پر مشتمل فارسی کی کتابیں گلستان' بوستان' آمدنامہ اور کریما وغیرہ بھی شامل نصاب تھیں۔ مکاتب میں عموماً بچے اور بچیاں اکٹھے تعلیم حاصل کرتے تھے۔ قرآن حکیم کی تعلیم مسلمان بچوں کے لیے لازمی تھی۔ ابتدائی تعلیم کی مدت مقرر نہ تھی۔ مقررہ نصاب مکمل کرنے کے بعد طالب علم اگلے درجے کی کتب شروع کر سکتا تھا۔

سوال: ثانوی تعلیم کے نصاب پر مختصر روشنی ڈالیے۔

جواب:

ثانوی سطح کا نصاب

(Curriculum for Secondary Education)

ثانوی سطح کے نصاب میں زبان و ادب کے ساتھ ساتھ زندگی کی ضروریات سے متعلقہ مضامین مثلاً دفتری و قانونی امور کی تعلیم بھی شامل تھی۔ نصاب میں ادب و انشا' حساب' تاریخ' اخلاقیات' فقہ اور خوش نویسی کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ثانوی سطح پر بھی فارسی ہی ذریعہ تعلیم تھی لیکن اس کے ساتھ عربی زبان و ادب کا متعلقہ مواد بھی شامل نصاب ہوتا تھا تاکہ اعلیٰ تعلیم کے خواہش مند طلبہ آگے چل کر دقت محسوس نہ کریں۔ ثانوی درجہ کی تعلیم کے بعد طالب علم سرکاری ملازمت کے اہل ہوتے تھے۔

سوال: اعلیٰ تعلیم کے نصاب پر مختصر نوٹ لکھئے۔

جواب:

اعلیٰ تعلیم کا نصاب

(Curriculum for Higher Education)

اسلامی عہد میں اعلیٰ تعلیم کے نصاب میں عربی زبان و ادب' تفسیر' حدیث' فقہ' اصول فقہ' منطق' فلسفہ' علم الکلام' تصوف

اور علم ہیئت وغیرہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اعلیٰ سطح پر عربی زبان ذریعہ تعلیم تھی۔ اعلیٰ تعلیم کے بعد طلبہ اپنی قابلیت کے مطابق مختلف پیشوں کا انتخاب کرتے تھے۔ قاضی کا منصب اور شاہی درباروں میں اعلیٰ عہدے بہت پرکشش تصور کیے جاتے تھے لیکن درس و تدریس کو سب سے زیادہ قابل عزت اور قابل ترجیح سمجھا جاتا تھا۔ اس پیشے سے وابستہ حضرات کی اسلامی معاشرے میں سب سے زیادہ عزت کی جاتی تھی۔

سوال: اعلیٰ تعلیم کے نصاب میں تبدیلیوں کا جائزہ (سلاطین دہلی سے اورنگ زیب عالمگیر تک) مختلف ادوار کے حوالے سے لیں۔

جواب: سلاطین دہلی سے اورنگ زیب عالمگیر تک اعلیٰ تعلیم کے نصاب میں بہت سی تبدیلیاں کی جاتی رہیں۔ ان تبدیلیوں کو ہم تین ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

پہلا دور: سلطان شمس الدین التمش سے نصیر الدین ہمایوں تک:

پہلا دور مسلمانوں کے تعلیمی نظام کے آغاز سے لے کر عہد اکبری سے قبل تک ہے۔ یہ دور کوئی دوسو سال کے عرصہ پر محیط ہے۔ اس دور میں عربی زبان و ادب' تفسیر' حدیث' فقہ' منطق' کلام اور تصوف شامل نصاب تھے۔ یہ دور منقولات کا دور ہے۔ اس میں معقولات کی طرف بہت کم رجحان تھا۔

دوسرا دور: عہد اکبری سے درس نظامی کے آغاز تک:

پہلے دور میں زیادہ تر قرآن و حدیث اور دیگر منقولات شامل نصاب تھے۔ اس دور کے تقریباً آخر میں سکندر لودھی کے زمانے میں فلسفہ و منطق کی طرف رجحان ہوا جبکہ دوسرے دور میں اسے زبردست ترقی حاصل ہوئی۔ جلال الدین اکبر کا عہد مذہبی آزادی (مذہبی آوارگی) کا دور تھا۔ اس دور میں فتح اللہ شیرازی کو شاہی دربار میں بہت پذیرائی ملی۔ بادشاہ نے اسے عضد الملک کا خطاب دیا۔ اس نے اعلیٰ تعلیم کے نصاب میں کچھ اضافے کیے' جسے علماء نے قبول کر لیا۔ اس کے بعد فلسفہ' علم الکلام اور منطق وغیرہ کی کتابوں کا وقتاً فوقتاً نصاب میں اضافہ ہوتا رہا۔ اس طرح نصاب میں منقولات سے معقولات کی طرف رجحان زیادہ ہوتا گیا۔ اسی دور میں ایک نئے مضمون طب کا اضافہ ہوا۔

تیسرا دور: درس نظامی:

اورنگ زیب عالمگیرؒ کے دور میں ملا نظام الدین سہالویؒ نے دور اکبری کے نصاب میں ترامیم اور اضافے کر کے ایک نیا نصاب تعلیم ترتیب دیا' جو درس نظامی کے نام سے برصغیر کے کم و بیش تمام مدارس میں رائج ہو گیا۔ اس دور میں منقولات کی بجائے معقولات کی طرف مزید جھکاؤ ہوا۔ ملا نظام الدینؒ نے فتح اللہ شیرازی کے طے کردہ اصول کی بنیاد پر مزید کتب شامل نصاب کیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نقلی علوم کو اسلامی مدارس میں وہ مقام حاصل نہ رہا جس کے وہ مستحق تھے۔ ملا نظام الدینؒ نے نصابی کتب کے انتخاب میں ہر علم و فن کی مشکل سے مشکل کتاب طلبہ کے لیے تجویز کی۔

www.downloadclassnotes.com

سوال: درس نظامی کیا ہے؟ اس کی نمایاں خصوصیات بیان کریں۔

جواب:

درس نظامی کیا ہے؟
(What is Dars-e-Nizami)

اورنگ زیب عالمگیرؒ کے دور میں ملا نظام الدین سہالویؒ نے دورِ اکبری کے نصاب تعلیم میں کچھ ترامیم اور اضافے کر کے ایک نیا نصاب ترتیب دیا جو برصغیر کے کم و بیش تمام دینی مدارس میں رائج ہو گیا۔ اس نصاب کو درس نظامی کہا جاتا ہے۔

درس نظامی کی خصوصیات (Characteristics of Dars-e-Nizami):

درس نظامی کی چند اہم خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

1- اس نصاب میں قرآن و حدیث پر توجہ کم تھی۔
2- نصاب میں تاریخ اور جغرافیہ جیسے اہم مضامین کو نظر انداز کر دیا گیا۔
3- صرف و نحو کی کئی کتابیں شامل نصاب کی گئی تھیں۔
4- درس نظامی میں معلومات میں وسعت کی بجائے فہم و تدبر اور سوچ بچار پر زیادہ زور دیا گیا۔
5- اس میں ہر علم و فن کی مشکل سے مشکل کتاب شامل کی گئی۔

سوال: درس نظامی کے اثرات بیان کریں اور اس کا تنقیدی جائزہ پیش کریں۔

جواب:

درس نظامی کے اثرات
(Output of Dars-e-Nizami)

درس نظامی کے رائج ہونے سے قرآن و حدیث اور دیگر نقلی علوم عدم توجہ کا شکار ہو گئے۔ اس میں نصاب کو پیچیدہ اور مشکل ترین بنا دیا گیا تھا۔ اعلیٰ سطح پر معقولات زیادہ اہمیت اختیار کر گئے۔ یہ نصاب آج بھی درس نظامی کے نام سے دینی مدارس میں پڑھایا جا رہا ہے لیکن ملا نظام الدین کے دور کے نصاب اور آج کے نصاب میں کافی فرق پیدا ہو چکا ہے۔ اگرچہ اب بھی منقولات کی بجائے معقولات کو ہی برتری حاصل ہے اور یہ نصاب دور جدید کے تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر ہے۔ مختلف تبدیلیوں کے باوجود یہ جمود کا شکار ہے۔

پچھلی صدی میں شاہ عبدالرحیمؒ نے مدرسہ رحیمیہ دہلی میں قرآن و حدیث کو دوبارہ مرکزی حیثیت دینے کی تحریک شروع کی جو ان کے فرزند ولی اللہؒ نے جاری رکھی، لیکن ان سب کوششوں کے باوجود درس نظامی کی خامیاں دور نہیں ہو سکیں۔

www.downloadclassnotes.com

سوال: مسلمانوں کے عہد میں برصغیر کے تعلیمی نظام میں کون کون سے تدریسی طریقے مختلف درجات میں رائج تھے؟

جواب: تعلیم کے مختلف مدارج میں مندرجہ ذیل تدریسی طریقے استعمال کیے جا چکے تھے:

ابتدائی تعلیم کے لیے طریقہ تدریس:

(Method of Teaching for Primary Level)

بچوں کو ابتدائی تعلیم مکاتب میں دی جاتی تھی۔ تعلیم کی ابتدا رسم بسم اللہ سے ہوتی تھی۔ جب بچہ چار سال چار ماہ اور چار دن کا ہوتا تھا تو اس بچے کو عزیز و اقارب اور رشتہ داروں کی موجودگی میں استاد کے سپرد کیا جاتا تھا جو اسے بسم اللہ' سورہ علق کی ابتدائی آیات اور سورۃ فاتحہ پڑھاتا تھا۔ اس کے بعد اس کی باقاعدہ تعلیم کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ ان مکاتب میں بچوں اور بچیوں کو قرآن حکیم' معمولی لکھنا پڑھنا اور ابتدائی حساب سکھایا جاتا تھا۔ بچوں کو حروف تہجی اور ان کی مختلف صورتوں کی پہچان کرانے کے بعد حروف کو ملا کر پڑھنے کی مشق کرائی جاتی تھی۔ حروف کی پہچان کے بعد لکھنا سکھایا جاتا تھا۔ اکبر نے اپنے دور میں لکھنا پڑھنا ایک ساتھ شروع کروانے کو رواج دیا۔ چنانچہ حروف تہجی لکھنے کے ساتھ ساتھ ان کی شکلیں اور نام یاد کرائے جاتے اور مسلسل مشق و تکرار سے بچے پڑھنے کے ساتھ ساتھ لکھنے کے بھی قابل ہو جاتے تھے۔

ثانوی اور اعلیٰ درجات میں تدریسی طریقے:

(Methods of Teaching at Secondary and Higher Levels)

ثانوی اور اعلیٰ سطح پر عام طور پر مندرجہ ذیل تدریسی طریقے رائج تھے:

-1	تقریری طریقہ	(Lecture Method)
-2	درسی کتاب کا طریقہ	(Text-Book Method)
-3	بحث و مباحثہ کا طریقہ	(Discussion Method)
-4	گہرا مطالعہ کا طریقہ	(Deep Study Method)

ذیل میں ان طریقوں پر مختصراً روشنی ڈالی گئی ہے:

1- تقریری طریقہ (Lecture Method):

یہ بہت پرانا طریقہ ہے اور ہندوستان کے تقریباً تمام مدارس میں ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کے لیے رائج تھا۔ اس میں اساتذہ مضمون کے بارے میں طلبہ کو لیکچر دیتے اور طلبہ اہم نکات نوٹ کر لیتے۔

استاد دوران درس کسی اونچی مسند یا منبر پر بیٹھتا تھا۔ درس کے بعد طلبہ سوالات کے ذریعے مشکل اور پیچیدہ باتوں کو دوبارہ سمجھ لیتے' تاکہ تشنگی باقی نہ رہے۔ اساتذہ بھی پڑھائے گئے سبق میں سے سوالات کر کے اپنی تدریس کے موثر یا غیر موثر

www.downloadclassnotes.com

ہونے کا جائزہ لیتے تھے۔

2۔ درسی کتاب کا طریقہ (Text-Book Method):

اس طریقہ تدریس میں اساتذہ کتاب کی قرأت کرتے اور طلبہ سنتے تھے۔ کبھی کبھار طلبہ قرأت کرتے اور اساتذہ غلطیاں درست کرنے کے ساتھ ساتھ اہم نکات کی وضاحت کرتے چلے جاتے۔ طلبہ دوران قرأت اپنے شکوک رفع کرنے کے لیے سوالات بھی کرتے تھے۔ اس طریقے میں چونکہ طلبہ پڑھائے جانے والے سبق کا باقاعدہ مطالعہ کر کے آتے تھے اس لیے ان کے سوالات بڑے جامع اور موضوع کے متعلق ہوتے تھے۔

3۔ بحث و مباحثہ کا طریقہ (Discussion Method):

دوران تدریس سوالات اور جوابات ایک لازمی اور ضروری چیز ہیں۔ مسلم مدارس میں بحث و مباحثہ کو خصوصاً اعلیٰ درجات میں بڑی اہمیت دی جاتی تھی۔ اس طریقہ میں استاد اور طلبہ دونوں تیاری کر کے آتے۔ طلبہ سبق میں مکمل طور پر شریک ہوتے۔ استاد کی گفتگو اور طلبہ کے سوالات باقاعدہ بحث و مباحثہ کی شکل اختیار کر جاتے۔ مشہور اساتذہ کے درس میں ہم عصر اہل علم بھی شریک ہوتے۔ اس طرح بحث و مباحثہ کا معیار بہت بلند ہو جاتا تھا۔

4۔ گہرا مطالعہ کا طریقہ (Deep Study Method):

اس طریقے میں استاد کے سبق پڑھانے سے قبل طلبہ خود سبق پڑھتے تھے۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ عبارت اور ترجمہ کی طرف توجہ دی جاتی تھی۔ نئے الفاظ کے معانی لغت میں دیکھے جاتے اور ان کا مطلب سمجھنے کی کوشش کی جاتی۔ اگر ایک بار مطالعہ سے مسئلہ حل نہ ہوتا تو دوسری بلکہ تیسری بار مطالعہ کیا جاتا۔ صرف مشکل اور پیچیدہ مسائل کے حل کے لیے اساتذہ سے رجوع کیا جاتا تھا۔

گہرے مطالعہ کا یہ طریقہ آج بھی اعلیٰ درجات کے سنجیدہ و متین طلبہ کے لیے بے حد مفید ہے۔

سوال: مانیٹوریل سسٹم پر مختصر نوٹ لکھیے۔

جواب: **مانیٹوریل سسٹم (Monitorial System)**

ہندوستان میں مسلمانوں کے نظام تعلیم میں مانیٹوریل سسٹم بھی رائج تھا۔ اس سسٹم کے تحت اعلیٰ درجے کے طلبہ اپنے زمانہ طالب علمی ہی میں اپنی پڑھی ہوئی کتابیں چھوٹی جماعت کے طلبہ کو پڑھاتے اور نظم و ضبط برقرار رکھنے میں استاد کی مدد کرتے تھے۔ یہ بہت مفید اور کامیاب طریقہ تھا۔ اس سے نہ صرف استاد کے لیے اپنے فرائض کی ادائیگی آسان ہو جاتی تھی بلکہ معاون طلبہ میں انتظامی صلاحیتیں بھی پروان چڑھتی تھیں اور ان کی قابلیت میں اضافہ ہو جاتا تھا۔

مانیٹوریل سسٹم میں بعض اوقات استاد کی تدریس کے ساتھ ہی ایک طالبعلم بلند آواز سے سبق دہراتا تھا۔ مولانا شبلی

نعمانی لکھتے ہیں کہ "اس زمانے میں نامور علماء کے ہاں یہ دستور تھا کہ جب وہ درس دے چکتے تو شاگردوں میں سب سے لائق طالبعلم دوبارہ یہ درس دہراتا اور استاد کے پڑھائے ہوئے مضامین کو اچھی طرح ذہن نشین کراتا تھا۔ ایسے طالب علم کو "معید" کہتے تھے۔

موجودہ دور میں مانیٹر وہی معید ہے جو کلاس میں تدریس اور نظم و ضبط میں استاد کا مددگار ہوتا ہے۔

سوال: جائزہ یا امتحانات کے نظام پر مختصر تبصرہ کریں۔

جواب:

جائزہ یا امتحانی نظام

(Evaluation/Examination System)

برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کے تعلیمی نظام میں جائزے (امتحانات) کا نظام موجودہ دور کی طرح اتنا ترقی یافتہ نہیں تھا۔ اساتذہ تعلیمی مقاصد کی تکمیل کے لیے طلبہ کو اپنی صوابدید کے مطابق ان کی کارکردگی کا جائزہ لے کر اگلی جماعت یا درجہ میں ترقی دے دیتے تھے۔ ایک درجہ پاس کرنے کے لیے کوئی مدت مقرر نہ تھی۔ ابتدائی تعلیم میں آموختہ کا طریقہ رائج تھا۔ چھوٹے بچے اپنا سبق یاد کر کے استاد کو سناتے" پھر ان کو اگلا سبق ملتا تھا' اسے آموختہ کہا جاتا تھا۔

ہفتہ میں ایک دن "آموختہ" سننے کے لیے دن بھی مقرر تھا۔ آج کل بھی مساجد میں چھ دن بچے سبق پڑھتے ہیں اور جمعہ کے دن پورے ہفتے میں پڑھے ہوئے سبق کی دہرائی کرتے ہیں۔ یہ آموختہ سے ملتا جلتا طریقہ ہے۔ ابتدائی تعلیم میں عموماً بچے کے حافظہ اور یادداشت کو جانچا جاتا تھا کہ اس میں سبق کو یاد رکھنے کی کس قدر صلاحیت ہے۔

اعلیٰ اور ثانوی تعلیم میں دوران تدریس سوالات و جوابات' بحث و مباحثہ اور مذاکرے و مناظرے جائزہ کے مقاصد کو پورا کرتے تھے۔ اس زمانے میں آج کل کی طرح تصور امتحان نہیں تھا۔

استاد آزمائشی سوالات کے ذریعے طلبہ کی قابلیت کا جائزہ لیتا تھا۔ استاد اور شاگرد کے درمیان گہرا رشتہ ہوتا تھا۔ مدارس عموماً اقامتی ہوتے تھے اور استاد سبق کے ساتھ ساتھ طلبہ کے سیرت و کردار کو بھی پیش نظر رکھتا تھا۔ اعلیٰ درجے کی تعلیم کے اختتام پر طلبہ کو سند فضیلت عطا کی جاتی تھی۔

سلاطین دہلی اور مغلیہ عہد میں سالانہ امتحانات کا طریقہ رائج نہیں تھا' لیکن طلبہ کی تعلیمی پیمائش ہوتی رہتی تھی۔ والئی بیجاپور محمد عادل شاہ نے رسمی امتحانات کا طریقہ رواج دیا۔ یہ امتحانات ذوالحجہ کے مہینے میں ہوتے اور اچھی کارکردگی پر طلبہ کو انعامات بھی ملتے تھے۔ اسی طرح سرکاری ملازمتوں اور درباری مناصب حاصل کرنے کے لیے بھی مقابلے کی فضا موجود تھی۔ امیدواران کو عملی طور پر اپنی قابلیت کا ثبوت دینا پڑتا تھا۔

سوال: نظم ونسق پر مختصر نوٹ لکھیے۔

جواب:

اسلامی عہد میں تعلیمی نظم ونسق

(Educational Administration During Muslim Period)

اسلامی عہد میں اکثر تعلیمی ادارے اہل علم ہی کے قائم کردہ ہوتے تھے جو اپنے طور پر صاحب ثروت لوگوں کی مدد سے ان تعلیمی اداروں کا نظام چلاتے تھے۔ بادشاہ اور امراء ان اداروں کی سرپرستی اور مالی اعانت کرتے تھے' لیکن ان تعلیمی اداروں کی خصوصیت یہ تھی کہ داخلی طور پر یہ خود مختار تھے۔ علما اور اساتذہ ان تعلیمی اداروں کے نصاب' طریقہ تدریس' امتحانات اور دیگر امور میں مکمل طور پر آزاد تھے۔ انتظامی لحاظ سے اس دور کے تعلیمی اداروں کو مندرجہ ذیل اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(الف) سرکاری مدارس (State Schools)

(ب) مساجد میں قائم مدارس (School's Setup in Mosques)

(ج) خانقاہوں اور مزارات سے ملحق مدارس (Convent Schools)

(د) علماء اور اساتذہ کے ذاتی قائم کردہ مدارس (Schools Setup by Religious Scholars)

ان تمام اقسام کے تعلیمی اداروں میں نظم ونسق کے سلسلے میں مرکزیت کا کوئی تصور موجود نہیں تھا۔ مدارس میں داخلے کی کوئی شرائط نہیں تھیں۔ داخلے عموماً شوال میں ہوتے تھے۔ اوقات تعلیم میں باقاعدگی نہیں تھی بلکہ نماز فجر سے لے کر رات گئے تک تعلیم وتعلم کا سلسلہ وقفے وقفے سے جاری رہتا تھا۔ تعلیم کے درجات کے لیے کوئی مدت مقرر نہ تھی۔ ان تمام باتوں کے باوجود نصاب' طریق تدریس اور اوقات تعلیم کے حوالے سے حیرت انگیز یکسانیت پائی جاتی تھی۔

طلبہ اور اساتذہ میں احترام اور شفقت کا رشتہ پایا جاتا تھا۔ طلبہ اساتذہ کے ذاتی کام کر کے خوشی محسوس کرتے تھے۔ اگر ہم آج کے تعلیمی اداروں کے نظم ونسق کا موازنہ ان قدیم اداروں کے نظم ونسق سے کریں تو محسوس ہوتا ہے کہ ماضی کا نظم ونسق بے حد مثالی تھا۔

سوال: انگریزوں کی آمد سے پہلے مسلمانوں کی علمی سرگرمیوں کی چند نمایاں خصوصیات بیان کریں۔

جواب:

مسلمانوں کی علمی سرگرمیوں کی نمایاں خصوصیات

(Salient Features of the Educational Activities of the Muslims)

☆ اس دور میں ہر مسجد ابتدائی تعلیم کے مرکز کے طور پر کام کرتی تھی۔

☆ تعلیم عام' مفت اور سب کے لیے تھی۔

☆ طلبہ کو رہائش وطعام مفت اور دیگر تعلیمی اخراجات کی تکمیل کے لیے وظائف دیے جاتے تھے۔

www.downloadclassnotes.com

☆ مقصد تعلیم رضائے الٰہی کا حصول اور نیابت الٰہی (اللہ کا خلیفہ بنانا) تھا۔

☆ نظم و نسق سرکاری و غیر سرکاری اثرات سے آزاد تھا۔

☆ تعلیم بلاتفریق رنگ و نسل اور مذہب و ملت سبھی کو دی جاتی تھی۔

اس کے برعکس انگریزوں نے جو نظام رائج کیا' اس میں تعلیم کو قابل خرید و فروخت شے بنا دیا گیا۔ مقصد تعلیم ذہنی طور پر غلام اور دفتری امور چلانے کے لیے ادنیٰ اہلکاروں اور ملازمین سرکار کی فراہمی ٹھہرا۔ انگریزوں کی آمد کے وقت مسلمانوں میں تعلیم کی شرح سو فیصد تھی' لیکن انگریز کی رخصتی کے وقت پر محض 13 فیصد رہ گئی۔

پاکستان کی ترقی آج بھی تعلیمی ترقی کے ساتھ مشروط ہے۔ جب تک وطن عزیز میں تعلیمی انقلاب جنگی بنیادوں پر برپا نہیں کیا جاتا' پاکستان کو دنیا کی اقوام کی صفوں میں اعلیٰ مقام نہیں دلایا جا سکتا۔

☆☆☆☆

ٹیکسٹ بک کے مختصر سوالات و جوابات
(Short Questions and Answers)

(i) مکاتب اور مدارس کا نظام تعلیم کیا تھا؟

جواب: ابتدائی تعلیم کے ادارے مکاتب اور ثانوی تعلیم کے اداروں کو مدارس کہا جاتا تھا۔

(ii) جامعات سے کیا مراد ہے؟

جواب: اعلیٰ تعلیم کے لیے مختص کردہ تعلیمی ادارے جامعات کہلاتے تھے۔ مثلاً جامعہ نظامیہ بغداد' جامعہ مستنصریہ بغداد اور جامعہ ازہر مصر وغیرہ۔

(iii) برصغیر میں مسلمانوں کی آمد کے وقت تعلیمی حالت کیا تھی؟

جواب: پورا ہندو معاشرہ جہالت اور گمراہی کی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ معاشرتی لحاظ سے برہمن کی گرفت بہت مضبوط تھی۔ شودر کو سب سے گھٹیا تصور کیا جاتا تھا۔ تعلیمی لحاظ سے بھی برہمنوں کی اجارہ داری تھی۔ جنتر منتر کو ہی علم سمجھا جاتا تھا۔ کھشتری اور ویش کسی حد تک اپنے پیشوں کے مطابق کچھ باتیں سیکھ سکتے تھے۔ شودروں پر یہ دروازے مکمل طور پر بند تھے۔

(iv) برصغیر میں مسلمانوں کے عہد حکومت میں مقاصد تعلیم کیا تھے؟

جواب: اسلامی عہد میں رضائے الٰہی کا حصول' تعمیر سیرت و کردار' متوازن نشوونما' معاشی خود کفالت' منصب خلافت کا حصول اور تسخیر کائنات وغیرہ مقاصد تعلیم تھے۔

(v) مسلمانوں کے عہد میں برصغیر کا ابتدائی تعلیم کا نصاب کیا تھا؟

جواب: معمولی لکھنا پڑھنا' ابتدائی حساب اور اسلام کے بنیادی عقائد سے واقف کرنا ابتدائی تعلیم کے نصاب میں شامل تھا۔

www.downloadclassnotes.com

ذریعہ تعلیم فارسی تھا۔

(vi) **مسلمانوں کے عہد میں برصغیر کا ثانوی تعلیم کا نصاب کیا تھا؟**

جواب: ثانوی سطح پر زبان و ادب کے ساتھ ساتھ زندگی کی ضروریات سے متعلقہ مضامین مثلاً دفتری و قانونی امور کی تعلیم شامل نصاب تھی۔ حساب، تاریخ، اخلاقیات، فقہ اور خوش نویسی کی تعلیم بھی دی جاتی تھی، ذریعہ تعلیم فارسی تھا۔ ثانوی تعلیم کی تکمیل پر طلبہ سرکاری ملازمت کے اہل ہوتے تھے۔

(vii) **مسلمانوں کے عہد حکومت میں برصغیر کا اعلیٰ تعلیم کا نصاب کیا تھا؟**

جواب: اعلیٰ تعلیم کے نصاب میں عربی زبان و ادب، تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، منطق، فلسفہ، علم الکلام، تصوف اور علم ہیئت وغیرہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ذریعہ تعلیم عربی زبان تھا۔

(viii) **درس نظامی کی خصوصیات بیان کریں۔**

جواب: 1- درس نظامی میں قرآن و حدیث پر کم توجہ تھی۔

2- جغرافیہ اور تاریخ بالکل نظر انداز کر دیے گئے۔

3- درس نظامی میں متعدد کتب صرف و نحو پر ہیں جبکہ ادب پر صرف تین چار کتب شامل ہیں۔

4- اس نصاب میں معلومات میں وسعت کی بجائے فہم اور تدبر پر زور دیا گیا ہے۔

(ix) **مندرجہ ذیل پر نوٹ لکھیں:**

(i) گہرے مطالعہ کا طریقہ (ii) بحث و مباحثہ کا طریقہ (iii) مانیٹوریل سسٹم

جواب: **(i) گہرے مطالعہ کا طریقہ:**

اس طریقہ تعلیم میں استاد کے متعلق پڑھانے سے قبل طلبہ خود اپنی مدد آپ کے تحت عبارت اور ترجمہ کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر عبارت ایک دفعہ سمجھ نہیں آ سکی تو دو مرتبہ، تین مرتبہ خود پڑھتے ہیں۔ نئے الفاظ آنے کی صورت میں لغت سے استفادہ کرتے ہیں۔ استاد کے سامنے وہی مسائل پیش کئے جاتے جنہیں طلبہ خود سمجھنے سے قاصر ہوں۔ گہرے مطالعہ کا یہ طریقہ آج بھی سنجیدہ طلبہ کے مستقبل کو روشن کرتا ہے۔

(ii) بحث مباحثہ کا طریقہ:

تدریس کے دوران بحث مباحثہ کا طریقہ اسلامی طریقہ تعلیم میں بہت معروف ہے۔ استاد مکمل تیاری کر کے آتے، طلبہ بھی درس میں بھرپور حصہ لیتے۔ بعض اوقات ہم عصر علماء بھی شرکت کرتے اور بحث و مباحثہ میں حصہ لیتے جس سے علمی اعتبار سے طلبہ کی بہت اعلیٰ تربیت ہوتی اور طلبہ بھرپور استفادہ کرتے۔

(iii) مانیٹوریل سسٹم:

ہندوستان کے مسلم نظام تعلیم میں مانیٹوریل سسٹم رائج تھا۔ جس کا طریقہ یہ تھا کہ لائق اور قابل طالب علم اپنی پڑھی

www.downloadclassnotes.com

ہوئی کتب دیگر طلبہ کو پڑھاتے تھے۔ اس طرح اساتذہ کا بوجھ بھی کم ہو جاتا تھا اور طلبہ کو سبق پڑھانے کی تربیت بھی مل جاتی تھی۔
بعض اوقات استاد ایک دفعہ سبق پڑھاتے تو بعد میں لائق ترین طالب علم اسی سبق کو دہرا دیتا۔ اس طرح باقی طلبہ کو سبق ازبر ہو جاتا تھا اور سبق دہرانے والے کا سبق مزید پختہ ہو جاتا۔

(x) مسلمانوں کے نظام تعلیم میں مرکزی حیثیت قرآن حکیم کو حاصل رہی۔ نوٹ لکھیے۔

جواب: مسلمانوں کا پورا نظام تعلیم قرآن حکیم کے گرد گھومتا تھا۔ اکثر علوم مثلاً عربی زبان و ادب، فقہ و اصول فقہ، تفسیر وغیرہ قرآن کی تفہیم کے لیے شامل نصاب کیے گئے۔ قرآن نے مشاہدۂ کائنات اور غور و فکر کی تلقین کی ہے۔ اس سے تمام سائنسی علوم کو ترقی ملی اور وہ شامل نصاب ہوئے۔ قرآن پر اعتراضات نے علم الکلام کو وجود بخشا۔ معرفت نفس کی تاکید سے علم نفسیات وجود میں آیا۔ غرض اسلامی نصاب کا مرکز و محور قرآن حکیم ہی رہا ہے۔

(xi) فرض عین اور فرض کفایہ کے بارے میں امام غزالیؒ کے خیالات کی وضاحت کریں۔

جواب: لازمی مضامین کو امام غزالیؒ فرض عین قرار دیتے ہیں۔ مثلاً قرآن و حدیث اور ان کے ذیلی علوم فرض عین ہیں اور فرض کفایہ میں اختیاری مضامین شامل ہیں؛ جنہیں اگر چند لوگ بھی حاصل کریں تو معاشرے کا کاروبار حیات چل سکتا ہے۔ ان میں طب، ریاضی، زراعت، صنعت و حرفت، پارچہ بافی اور علم سیاسیات شامل ہیں۔

(xii) نقلی علوم اور عقلی علوم سے ابن خلدونؒ کیا مراد لیتے ہیں؟

جواب: ابن خلدونؒ نے تمام علوم کو دو اقسام میں تقسیم کیا ہے:
طبعی علوم یا عقلی علوم اور تقلیدی علوم یا نقلی علوم۔
طبعی یا عقلی علوم سے وہ تمام علوم مراد لیتے ہیں جن میں انسان اپنی عقل اور غور و فکر سے علم حاصل کرتا ہے۔ ان میں فلسفہ، منطق، طبعیات، مدنیات اور موسیقی وغیرہ شامل ہیں۔
تقلیدی علوم یا نقلی علوم سے مراد وہ علوم ہیں جن کا سرچشمہ قرآن و حدیث ہے۔ ان میں تفسیر، حدیث، فقہ اور لغت وغیرہ شامل ہیں۔

(xiii) "تعلیم انسان کی طبعی ضرورت ہے" علامہ ابن خلدونؒ کی اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: ابن خلدونؒ کے خیال میں خوراک، رہائش اور لباس وغیرہ کا حصول انسانی ضروریات کا تقاضا ہے۔ اسی طرح حصول تعلیم انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ انسانی فطرت میں سیکھنے کی صلاحیت ہی تعلیم کی بنیاد ہے۔ سیکھنا انسانی سرشت میں شامل ہے جو اسے حیوانات اور دیگر مخلوقات سے ممتاز کرتی ہے۔
تعلیم کو انسان کی طبعی ضرورت قرار دینا ابن خلدونؒ کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔

(xiv) ابن سیناؒ نے علوم کو کون کون سے تین مدارج میں تقسیم کیا ہے؟

جواب: ابن سیناؒ کی علوم کی تین اقسام یہ ہیں:

(i) **اعلیٰ علوم:** جو حکمت و دانش پر مبنی ہیں۔ مثلاً فلسفہ، منطق اور اخلاقیات وغیرہ۔

(ii) **دنیوی علوم:** جن کا تعلق مادے سے ہے۔ مثلاً علم کیمیا، علم طبیعات اور علم طب وغیرہ۔

(iii) **وسطی علوم:** جو مادی اور غیر مادی دونوں پہلو رکھتے ہوں۔ مثلاً علوم ہندسہ، فلکیات، موسیقی اور حساب وغیرہ۔

☆☆☆☆

ٹیکسٹ بک کے معروضی سوالات (Objective)

کثیر الانتخابی سوالات (Multiple Choice Questions):

☆ ہر بیان کے ساتھ چار جوابات دیے گئے ہیں۔ درست جواب پر (✓) نشان لگائیں:

(i) انسانی تعلیم کا آغاز ہوا:

(ا) حضرت آدمؑ کی پیدائش سے (ب) حضرت محمد ﷺ کی پیدائش سے
(ج) حضرت نوحؑ کی پیدائش سے (د) حضرت ابراہیمؑ کی پیدائش سے

(ii) مکتب اور مدرسہ کے ذریعے تعلیم کا آغاز کیا:

(ا) مسلمانوں نے (ب) یہودیوں نے
(ج) عیسائیوں نے (د) ہندوؤں نے

(iii) یورپ کی یونیورسٹیوں میں مسلمانوں کا تیار کردہ نصاب پڑھایا جاتا رہا:

(ا) پندرہویں صدی تک (ب) سولہویں صدی تک
(ج) سترہویں صدی تک (د) اٹھارہویں صدی تک

(iv) اللہ تعالیٰ نے پڑھنے کا حکم صادر فرمایا:

(ا) پہلی وحی میں (ب) دوسری وحی میں
(ج) تیسری وحی میں (د) چوتھی وحی میں

(v) اسلامی مدارس کے نصاب میں ہمیشہ مرکزی حیثیت حاصل رہی ہے:

(ا) طب کو (ب) ریاضی کو
(ج) زراعت کو (د) قرآن کو

(vi) برصغیر کے مکاتب میں ذریعہ تعلیم تھا:

(ا) عربی (ب) فارسی
(ج) ہندی (د) سنسکرت

www.downloadclassnotes.com

(vii) برصغیر میں ابتدائی تعلیم کی مدت تھی:

(ا) چار سال (ب) پانچ سال

(ج) چھ سال (د) غیر معینہ

(viii) درس نظامی کا نصاب ترتیب دیا:

(ا) اورنگ زیب نے (ب) ملا نظام الدین سہالویؒ نے

(ج) شاہ ولی اللہؒ نے (د) فتح اللہ شیرازیؒ نے

(ix) درسِ نظامی کے نصاب میں معلومات کی وسعت کی بجائے زیادہ زور دیا گیا:

(ا) قرآن پر (ب) حدیث پر

(ج) ریاضی پر (د) فلسفہ و منطق پر

(x) برصغیر میں بچوں کو مکاتب میں داخل کیا جاتا تھا:

(ا) چار سال چار ماہ کی عمر میں (ب) پانچ سال چار ماہ کی عمر میں

(ج) چھ سال چار ماہ کی عمر میں (د) سات سال چار ماہ کی عمر میں

جوابات

(i)	الف	(ii)	الف	(iii)	الف	(iv)	الف	(v)	د
(vi)	ب	(vii)	الف	(viii)	ب	(ix)	د	(x)	الف

2- تکمیلی سوالات (Fill in the Blanks):

☆ مناسب الفاظ لگا کر خالی جگہ پر کریں:

(i) اسلامی تاریخ میں ________ کو پہلے باقاعدہ مدرسہ کی حیثیت حاصل ہے۔

(ii) مسجد نبوی ﷺ میں ہی ________ طلبہ کے ایک وقت میں قیام پذیر ہونے کا ذکر ملتا ہے۔

(iii) حضرت محمد ﷺ نے ________ کے گھر سے صحابہ کرام کو تعلیم دینے کی ابتدا کی۔

(iv) حضرت ________ نے باقاعدگی پیدا کرنے کے لیے علما اور اساتذہ کی تنخواہیں مقرر کیں۔

(v) امام غزالیؒ جامعہ نظامیہ بغداد کے ________ مقرر ہوئے۔

(vi) ابتدائی تعلیم کے مدارس کے لیے ________ کا لفظ استعمال کیا جاتا تھا۔

(vii) مستنصر باللہ نے 1233ء میں اعلیٰ درجہ کی ایک درسگاہ بنوائی، جسے جامعہ ________ کہتے تھے۔

(viii) دنیا کی قدیم ترین یونیورسٹی ________ ہے۔

(ix) علاؤالدین خلجی اور اکبر جو خود عالم نہ تھے وہ بھی ______ کے فروغ میں بہت فراخ دل تھے۔

(x) اسلامی مقاصد ______ میں تعمیر سیرت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

جوابات

(i)	صفہ	(ii)	70 تک	(iii)	حضرت زید بن ارقمؓ
(iv)	عمرؓ	(v)	صدر	(vi)	مکتب
(vii)	مستنصریہ	(viii)	جامعہ ازہر	(ix)	تعلیم
(x)	تعلیم				

☆☆☆☆

اضافی معروضی

☆ **مختصر سوالات کے جوابات:**

(i) **اسلام کا پہلا باقاعدہ مدرسہ کون سا ہے؟ اس میں کتنے طلبہ پڑھتے تھے؟**

جواب: مسجد نبوی ﷺ میں صفہ کا چبوترہ' ایک وقت میں 70 تک طلبہ کے پڑھنے کی روایت ملتی ہے۔

(ii) **حلقہ کسے کہتے ہیں؟**

جواب: کوئی بڑا عالم کسی مسجد میں کسی چوکی یا ستون کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ جاتا اور اپنے لیکچر کا آغاز کرتا۔ وہاں طالبان علم جمع ہو جاتے۔ اس طرح ایک حلقہ وجود میں آ جاتا۔ حلقے عموماً اعلیٰ تعلیم کے لیے ہوتے ہیں۔

(iii) **علامہ ابن خلدونؒ کی شہرہ آفاق کتاب کا نام لکھئے۔**

جواب: مقدمہ ابن خلدون' جو اصل میں ان کی کتاب تاریخ ابن خلدون کا مقدمہ ہے۔ مگر اب الگ کتاب کی شکل میں بھی دستیاب ہے۔

(iv) **ابن خلدونؒ کے نزدیک حصول علم کے لیے سفر کی اہمیت بیان کریں۔**

جواب: ابن خلدونؒ حصول علم کے لیے سفر کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ اس زمانے میں اعلیٰ تعلیم کی جامعات بہت دور دور واقع ہوتی تھیں اور اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے سفر اختیار کرنا ضروری تھا۔ ابن خلدونؒ ایسے سفر کو بڑی اہمیت دیتے اور مستحسن خیال کرتے تھے۔ علمی سفر میں قوت مشاہدہ اور غور و فکر کو جلا ملتی ہے۔

(v) **فن تعلیم و تربیت پر امام زرنوجیؒ کی کتاب کا کیا نام ہے؟**

جواب: فن تعلیم تربیت پر امام زرنوجیؒ کی کتاب کا نام "تعلیم والمتعلم طریقۃ المتعلم" ہے۔ اس میں انہوں نے طالبان علم کو

بہت سی نصیحتیں کی ہیں۔اس کو ہدایات نامہ متعلم کا نام بھی دیا جاسکتا ہے۔

(vi) مانیٹوریل سسٹم کسے کہتے ہیں؟

جواب: مانیٹوریل سسٹم میں استاد کی تدریس کے بعد کوئی ذہین طالب علم وہی سبق دوبارہ کلاس کو پڑھاتا ہے اور نظم و نسق میں بھی استاد کی مدد کرتا ہے۔

(vii) معید کسے کہتے ہیں؟

جواب: ''معید'' سبق دہرانے والا طالبعلم کہلاتا ہے۔اسے عرف عام میں مانیٹر کہا جاتا ہے۔

(viii) تعلیم کے فروغ کے لیے حضرت عمرؓ کا کیا کردار تھا؟

جواب: خلفائے راشدین نے علم و ہدایت کے فروغ کو جاری رکھا۔حضرت عمر فاروق کو تعلیم میں باقاعدگی پیدا کرنے کا اس قدر خیال تھا کہ انہوں نے علماء اور اساتذہ کی تنخواہیں بیت المال سے مقرر فرمائیں۔مساجد کی تعداد میں اضافہ توسیع تعلیم میں بہت مددگار ثابت ہوا۔

(ix) خلیفہ ہارون الرشید نے علم کے فروغ کے لیے کیا خدمات سرانجام دیں؟

جواب: خلیفہ ہارون الرشید نے ہر مسجد میں مدرسہ قائم کرنے کی زبردست مہم چلائی، جس سے تعلیم عام ہوگئی۔دمشق، قاہرہ اور بغداد اپنے دور کی عظیم درسگاہیں تھیں۔

(x) قرآن مجید میں سیرو فی الارض سے کیا مراد ہے؟

جواب: قرآن مجید میں سیرو فی الارض سے مراد یہ ہے کہ کائنات کا بھرپور مشاہدہ کیا جائے۔اسی عمل کے نتیجے میں تسخیر کائنات کا عمل شروع ہوا اور سائنسی علوم کو فروغ ملا۔

☆ اضافی کثیر الانتخابی سوالات:

(i) علم اور تہذیبی روایات والدین سے اولاد کو کس طرح منتقل ہوتی ہیں؟

(ا) زینہ بہ زینہ　　(ب) سینہ بہ سینہ
(ج) قدم بہ قدم　　(د) منزل بہ منزل

(ii) غار حرا کی پہلی وحی میں مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے پہلا حکم کیا نازل فرمایا؟

(ا) چلنے کا　　(ب) مرنے کا
(ج) پڑھنے کا　　(د) لڑنے کا

(iii) صفہ سے فارغ ہونے والے طلبہ کو کیا کہتے تھے؟

(ا) مولوی　　(ب) عالم
(ج) حافظ　　(د) قاری

www.downloadclassnotes.com

(iv) مدینہ سے کتنے میل کے فاصلے پر قبا میں ایک مسجد تھی؟

(ا)	دو میل	(ب)	تین میل
(ج)	چار میل	(د)	پانچ میل

(v) حضورﷺ کے زمانے میں کتنی مساجد میں مدرسوں کا ذکر ملتا ہے؟

(ا)	آٹھ	(ب)	نو
(ج)	دس	(د)	گیارہ

(vi) حضورﷺ نے کتنے سال کی قلیل مدت کے اندر خطۂ عرب میں تعلیمی انقلاب برپا کر دیا؟

(ا)	21 سال	(ب)	22 سال
(ج)	23 سال	(د)	24 سال

(vii) مورخین کے مطابق حضرت محمدﷺ کے طفیل عرب کی کتنی آبادی خواندہ ہو گئی؟

(ا)	ایک چوتھائی	(ب)	نصف
(ج)	تین چوتھائی	(د)	پوری

(viii) نظامیہ بغداد میں اپنے زمانے میں طلبہ کی کتنی تعداد تھی؟

(ا)	چار ہزار	(ب)	پانچ ہزار
(ج)	چھ ہزار	(د)	سات ہزار

(ix) مکتب کس زبان کا لفظ ہے؟

(ا)	انگلش	(ب)	فارسی
(ج)	عربی	(د)	اردو

(x) مدرس کسے کہتے ہیں؟

(ا)	مدراس کے رہنے والے کو	(ب)	درس والی جگہ کو
(ج)	درس سننے والے کو	(د)	مدرسے میں پڑھانے والے استاد کو

جوابات

(i)	ب	(ii)	ج	(iii)	د	(iv)	ب	(v)	ب
(vi)	ج	(vii)	ب	(viii)	د	(ix)	ج	(x)	د

☆☆☆☆☆